الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

مئی
2026

خصوصی گوشہ

علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی علیہ الرحمہ

مولانا سید رکن الدین اصدق علیہ الرحمہ کی حیاتِ طیبہ علم و عمل، زہد و تقویٰ اور خدمتِ دین سے عبارت تھی۔ انہوں نے ارشاد و تبلیغ کے میدان میں بیش بہا خدمات انجام دیں اور تصنیف و تالیف کے ذریعے اہلِ علم کو قیمتی علمی سرمایہ عطا کیا۔ ان کی تحریروں میں پختگی، اعتدال اور مسلکِ اہلِ سنت کی سچی ترجمانی نمایاں تھی۔ وہ اپنے اساتذہ خصوصاً حضور حافظِ ملت کی علمی و فکری وراثت کے امین اور سچے ترجمان تھے۔

ان کا وصال صرف ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک عہد، ایک علمی روایت اور ایک روشن چراغ کے بجھ جانے کا نام ہے۔ ان کی یادیں، علمی آثار اور تربیت یافتہ مریدین ہمیشہ ان کے لیے صدقۂ جاریہ رہیں گے۔

حضرت علامہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

دار الحدیث الأشرفیۃ

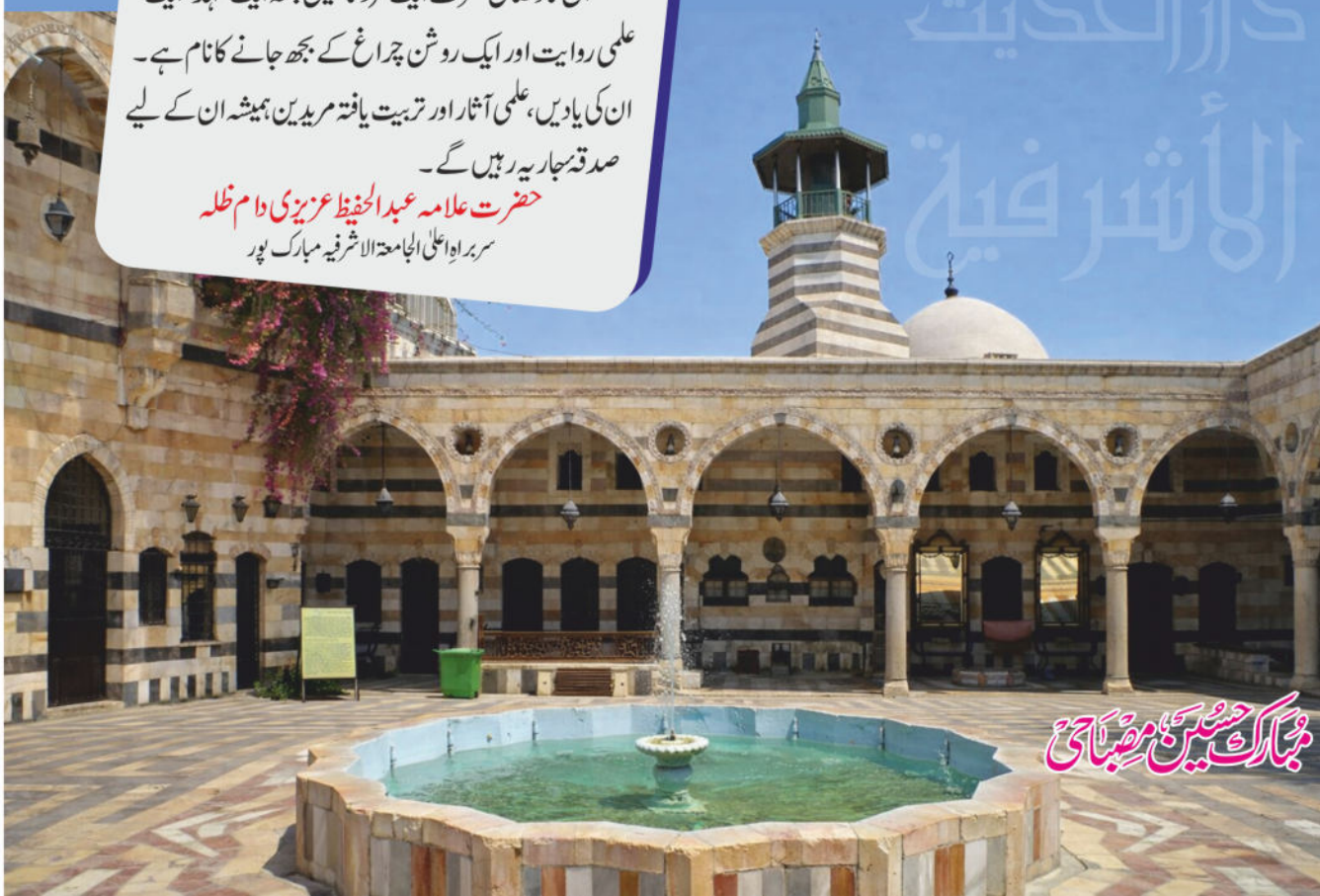

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

زیرِ سرپرستی:
عزیز ملت حضرت علامہ شاہ
عبد الحفیظ عزیزی
سربراہِ اعلیٰ
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 51 شمارہ 5 | مئی 2026ء | ذیقعدہ 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی
منیجر : محمد محبوب عزیزی
تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی
مولانا محمد ادریس بستوی
مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے
سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے
سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ
750 روپے
دیگر بیرونی ممالک
25$ امریکی ڈالر 20£ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org
Email : ashrafiamonthly@gmail.com
mubarakmisbahi@gmail.com
info@aljamiatulashrafia.org

BHIM
BHIM UPI Payments Accepted at
ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY
A/c No. 3672174629
Central Bank Of India
Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532
اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		موت کافی ہے نصیحت کے لیے	مہتاب پیامی 5
قرآنیات	تفہیم قرآن	وضو، غسل اور تیمم کے احکام	محمد حبیب اللہ بیگ ازہری 10
فقہیات	آپ کے مسائل	کھاتہ میں اندراج اور زکات	مفتی محمد نظام الدین رضوی 13
تحقیقات	شواہد ونتائج	حدیث ضعیف سے متعلقہ افادات رضویہ	سید حدیر الحسن شاہ 15
نظریات	فکر امروز	تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو؟	محمد فداء المصطفیٰ قادری 17
اسلامیات	شعاعیں	انسانی حقوق کا تصور	جہانگیر عالم 19
تاریخیات	یاد ماضی	دارُالحدیث الاشرفیہ	مولانا محمد نظام الدین مصباحی 23
طبیات	حفظان صحت	باورچی خانے سے شوگر کنٹرول تک	ڈاکٹر ام فرح 31
بزم خواتین	چراغ خانہ	مسلم خواتین کی کردار سازی	سلمیٰ شاہین امجدی 33
گوشۂ سید رکن الدین اصدق مصباحی علیہ الرحمہ	تعزیت نامہ	علمی وروحانی دنیا کا ایک بڑا سانحہ	حضرت علامہ عبدالحفیظ عزیزی دام ظلہ 34
	صدائے دل	آہ! چشتی چمن کا مالی نہ رہا	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری 35
	اعترافِ غم	حضور حافظ ملت کا چہیتا نہ رہا	ڈاکٹر یعقوب اختر فیضی 36
	تلمیذ عزیز	حافظ ملت علیہ الرحمہ کے احب وارشد تلمیذ	مولانا فتح احمد عیش بستوی مصباحی 38
	یادِ اصدق	خانوادۂ اصدقیہ، نالندہ کا علمی وروحانی جانشین	آفتاب رشک مصباحی 40
	اسلوب نگارش	صاحب اسلوب نثر نگار	ڈاکٹر محمد ولی اللہ قادری 46
	گوشۂ ادب	رکن الدین اصدق اپنی دو تصانیف کے آئینے میں	پروفیسر فاروق احمد صدیقی 50
	نقد ونظر	تاریخ ہجرت (علامہ رکن الدین اصدق کی کتاب)	تبصرہ نگار: مہتاب پیامی 53
مکتوبات	صدائے بازگشت	○ محمد ابراہیم قادری مصباحی	56
سرگرمیاں	خیر وخبر	○ انٹرنیشنل تعلیمی سیمینار اور سالنامہ انکشاف کا اجرا	57
منظومات	خیابانِ حرم	نعتیں ○ امثل فواز ○ طفیل احمد مصباحی	58

اداریــہ

موت کافی ہے نصیحت کے لیے

مہتاب پیامی

انسانی بستیوں کے ہنگاموں اور زندگی کی رنگینیوں کے پس پردہ ایک ایسی خاموش حقیقت ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے، جس سے کسی بھی طرح فرار ممکن نہیں اور وہ حقیقت ہے "موت"۔ موت اس حقیقی کیفیت کا نام ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، مگر عجیب المیہ ہے کہ انسان جس قدر اس سے یقینی طور پر واقف ہے، اسی قدر اس سے غافل بھی ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اپنی فنا کی داستان سنا رہا ہے، ہر نئی چیز بوسیدگی کی طرف مائل ہے اور ہر طلوع ہونے والا سورج اپنے غروب کا پیغام ساتھ لاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور موت کی سختی حق کے ساتھ آپہنچی، یہی وہ چیز ہے جس سے تو بھاگا کرتا تھا۔" (سورہ ق:19)

ہم اکثر دنیاوی مصروفیات کے سحر میں اس قدر گرفتار ہوتے ہیں کہ ہمیں آپ اپنے وجود کا ادراک نہیں ہوتا۔ کبھی اچانک کسی فون کی گھنٹی بجتی ہے یا کوئی پیغام اسکرین پر نمودار ہوتا ہے کہ "فلاں شخص رخصت ہو گیا"۔ تعجب ہوتا ہے کہ وہ شخص جو کل تک ہمارے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا، جو صحت مند بھی تھا اور جوان بھی، اچانک مٹی کی چادر اوڑھ لیتا ہے۔ یہ ناگہانی موت دراصل اس نبوی پیشین گوئی کی صداقت ہے کہ: "قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ناگہانی موت عام ہو جائے گی۔" (رواہ الطبرانی)

اللہ رب العزت نے زندگی اور موت کا یہ تانا یوں نہیں بنایا، بلکہ یہ تو ایک عظیم امتحان کا تسلسل ہے۔ موت وہ جام ہے جو ہر ذی روح کو پینا ہے، چاہے وہ تختِ شاہی پر متمکن ہو یا خاک نشین۔ قرآن حکیم اس مقصد کو یوں واضح کرتا ہے:

"جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون زیادہ اچھا ہے۔" (سورہ الملک:2)

جب موت کا وقت مقرر آپہنچتا ہے تو تمام رشتے، ناطے اور عمر بھر کی کمائیاں پیچھے رہ جاتی ہیں اور انسان اپنے اعمال کی گٹھڑی اٹھائے تن تنہا اپنے رب کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

اگر انسان کے پاس سننے والے کان اور سمجھنے والا دل ہو، تو اسے کسی طویل وعظ و نصیحت کی ضرورت نہیں۔ موت خود ایک ایسی خطیب ہے جو خاموشی سے زندگی کا فلسفہ سمجھا دیتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے:

"نصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کے حال سے نصیحت حاصل کرے۔"

موت دلوں کے زنگ کو دور کرتی ہے اور انسان کو گناہوں کی دلدل سے نکال کر توبہ کی راہ دکھاتی ہے۔ موت کا لمحہ کوئی معمولی لمحہ نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے موت کو مصیبت کے لفظ سے متّصل کیا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب روح اور بدن کا قدیم رشتہ ٹوٹتا ہے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ نے نزع کے وقت کے بارے میں ارشاد فرمایا: "بے شک موت کی سختیاں ہوتی ہیں"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس کیفیت کی تصویر کشی یوں فرمائی کہ گویا ایک خاردار شاخ جسم کے اندر پیوست کر کے زور سے کھینچ لی جائے، جو ہر رگ و پے کو تڑپا دے۔

ایک صاحبِ حال سے جب نزع کی کیفیت پوچھی گئی تو اس نے کہا: "ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان زمین پر گر پڑا ہے اور میں

payamee@gmail.com Contact:9235647041

سوئی کے ناکے سے سانس لے رہا ہوں"۔ یہ منظر انسان کی اس بے بسی کو ظاہر کرتا ہے جہاں زمین کے تمام ڈاکٹر اور تمام ٹیکنالوجی مل کر بھی ایک روح کو واپس نہیں لا سکتے۔

انسان خلا میں چلا جائے یا تحت الثریٰ کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہو، موت کا فرشتہ بہر حال اپنا راستہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد جلالت ہے: "تم جہاں کہیں بھی ہوگے، موت تمھیں آلے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو۔" (النساء:78)

یہ پوری انسانیت کو ایک ایسا چیلنج ہے جس کا جواب آج تک سائنس اور فلسفہ دینے سے قاصر ہیں۔ موت سے بھاگنا دراصل موت کی طرف بھاگنے کے برابر ہے۔

انسان کو آخرت سے غافل کرنے والی سب سے بڑی رکاوٹ اس کی "طویل امیدیں" ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ ابھی بہت وقت باقی ہے، جب کہ موت کی دستک بالکل قریب ہو سکتی ہے۔ قرآن نے خبردار کیا ہے کہ دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے اور لمبی امیدیں انسان کو حقیقت سے دور کر دیتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کی تربیت ہی اس بنیاد پر کی کہ وہ دنیا میں خود کو ایک "مسافر" یا "اجنبی" سمجھیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نصیحت ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے کہ:

"جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو، اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو۔"

اداریے کے اِن صفحات میں ہم جو یہ موت کا ذکر کر رہے ہیں، اس اٹل حقیقت کو یاد کر رہے ہیں اس کا مقصد قارئین کے دلوں میں مایوسی پیدا کرنا نہیں، بلکہ زندگی کو بامقصد بنانا ہے۔ موت کو یاد رکھنے کے بہت سے فوائد ہیں، جن میں سے چند کی نشان دہی ذیل کی سطور میں کی جا رہی ہے۔

- موت کو یاد رکھنے سے انسان کے اندر قناعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے دلوں کے اندر بے جا حرص وہوس کا ظہور نہیں ہوتا۔
- دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف جاگزیں ہوتا ہے، اس خوف وخشیت کے سبب توبہ میں عجلت پیدا ہوتی ہے اور انسان گناہوں سے دوری اختیار کرتا ہے۔
- موت کی یاد سے عبادت میں لذت خشوع وخضوع پیدا ہو جاتا ہے۔

مومن کے لیے موت فنا نہیں بلکہ بقا کا دروازہ ہے۔ جو شخص موت کو اپنا ہم سفر سمجھتا ہے، اسے توبہ کی توفیق، دل کی قناعت اور عبادت کی چستی نصیب ہوتی ہے۔ کیوں کہ "جس نے موت کو یاد رکھا، اس نے اپنی زندگی کو سنوار لیا، اور جو غافل رہا، اس نے اپنا انجام خراب کر لیا۔" خوش نصیب ہے وہ انسان جو اس "خاموش واعظ" کی پکار کو سنے اور اس سے پہلے کہ وقت ختم ہو جائے، اپنے مالکِ حقیقی سے صلح کر لے۔

موضوع کی مناسبت سے ابو العتاہیہ کا ایک شاندار قصیدہ ہے، ابو العتاہیہ اس نظم میں انسان کو غفلت کی نیند سے بیدار کر رہے ہیں۔ وہ یاد دلاتے ہیں کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے نہ بادشاہ بچ سکتے ہیں نہ سپاہی۔ وہ دنیا کی عارضی خوشیوں میں مگن لوگوں پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں جو آخرت کی فکر سے بالکل آزاد ہو چکے ہیں۔

ما يَدفَعُ المَوتَ أَرصادٌ وَلا حَرَسٌ ما يَغلِبُ المَوتَ لا جِنٌّ وَلا إنسُ

ما إِن دَعا المَوتُ أَملاكاً وَلا سُوَقاً ... إِلّا ثَناهُم إِلَيهِ الصَرعُ وَالخُلَسُ
لِلمَوتِ ما تَلِدُ الأَقوامُ كُلُّهُمُ ... وَلِلبَلى كُلُّ ما بَنَوا وَما غَرَسوا
هَلّا أُبادِرُ هَذا المَوتَ في مَهَلٍ ... هَلّا أُبادِرُهُ ما دامَ بي نَفَسُ
يا خائِفَ المَوتِ لَو أَمسَيتَ خائِفَهُ ... كانَت دُموعُكَ طولَ الدَهرِ تَنبَجِسُ
أَما يَهولُكَ يَومٌ لا دِفاعَ لَهُ ... إِذ أَنتَ في غَمَراتِ المَوتِ مُنغَمِسُ
أَما تَهولُكَ كَأسٌ أَنتَ شارِبُها ... وَالعَقلُ مِنكَ لِكوبِ المَوتِ مُلتَبِسُ
إِيّاكَ إِيّاكَ وَالدُنيا وَلَذّاتِها ... فَالمَوتُ فيها لِخَلقِ اللَهِ مُفتَرِسُ
إِنَّ الخَلائِقَ في الدُنيا لَوِ اِجتَهَدوا ... أَن يَحبِسوا عَنكَ هَذا المَوتَ ما حَبَسوا
إِنَّ المَنِيَّةَ حَوضٌ أَنتَ تَكرَهُهُ ... وَأَنتَ عَمّا قَليلٍ فيهِ تَنغَمِسُ
إِذا وَصَفتُ لَهُم دُنياهُمُ ضَحِكوا ... وَإِن وَصَفتُ لَهُم أُخراهُمُ عَبَسوا
ما لي رَأَيتُ بَني الدُنيا قَدِ اِفتَتَنوا ... كَأَنَّما هَذِهِ الدُنيا لَهُم عُرُسُ

ما لي رَأَيتُ بَني الدُنيا وَإِخوَتَها
كَأَنَّهُم لِكِتابِ اللَهِ ما دَرَسوا

- نہ پہرے دار موت کو روک سکتے ہیں اور نہ ہی محافظ، نہ جن موت پر غالب آسکتے ہیں اور نہ انسان۔
- موت نے جب بھی بادشاہوں یا عام لوگوں کو پکارا، تو سوائے اس کے کچھ نہ ہوا کہ بے بسی نے انھیں موت کی طرف موڑ دیا۔
- قومیں جو کچھ بھی جنتی ہیں (اولاد)، وہ موت ہی کے لیے ہے، اور جو کچھ وہ بناتی ہیں یا اگاتی ہیں، وہ سب مٹ جانے کے لیے ہے۔
- میں کیوں نہ اس موت کے لیے مہلت کے دنوں میں جلدی کروں؟ میں کیوں نہ اس کی تیاری کروں جب تک مجھ میں سانس باقی ہے؟
- اے موت سے ڈرنے والے! اگر تو واقعی اس سے ڈرتا، تو تیری آنکھوں سے زندگی بھر آنسوؤں کے چشمے جاری رہتے۔
- کیا تجھے اس دن کا خوف نہیں آتا جس کا کوئی دفاع نہیں؟ جب تو موت کی سختیوں میں غرق ہو چکا ہو گا۔
- کیا تجھے اس پیالے سے ڈر نہیں لگتا جسے تو پینے والا ہے؟ جب کہ تیری عقل موت کے جام کی ہولناکی سے پریشان ہو گی۔
- بچو، دنیا اور اس کی لذتوں سے بچو! کیونکہ موت اس دنیا میں اللہ کی مخلوق کا شکار کرنے والا درندہ ہے۔
- اگر دنیا کی تمام مخلوقات مل کر تجھ سے موت کو روکنے کی کوشش کریں، تب بھی وہ اسے نہیں روک سکتیں۔
- بے شک موت ایک ایسا حوض ہے جسے تو ناپسند کرتا ہے، مگر تو تھوڑی ہی دیر میں اس میں غوطہ لگانے والا ہے۔
- مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اہل دنیا کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس (دنیا) کے فتنے میں مبتلا ہیں، جیسے یہ دنیا ان کے لیے شادی کا جشن ہو۔
- جب میں ان کے سامنے ان کی دنیا کی تعریف کرتا ہوں تو وہ ہنستے ہیں، اور جب ان کے سامنے ان کی آخرت کا حال بیان کرتا

ہوں تو ان کے چہرے لٹک جاتے ہیں۔

- مجھے کیا ہوا ہے کہ میں دنیا والوں اور ان کے بھائیوں کو دیکھتا ہوں کہ (ان کا رویہ ایسا ہے) گویا انہوں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہی نہیں۔

اک چراغِ علم و عرفاں بجھ گیا

کائنات کا یہ اٹل قانون ہے کہ یہاں ہر کمال کو زوال اور ہر حیات کو فنا کا سامنا کرنا ہے۔ موت صرف سانسوں کا تسلسل ٹوٹنے کا نام نہیں، بلکہ ایک عہد کا اتمام اور ایک بابِ حیات کے بند ہونے کا نام ہے۔ جب ہم موت کے عمومی فلسفے پر غور کرتے ہیں، تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ بظاہر خاموشی ہے، مگر اپنے پیچھے یادوں، اثرات اور خلا کا ایک ایسا طوفان چھوڑ جاتی ہے جسے پُر کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جہاں انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور دل تسلیم و رضا کی پناہ ڈھونڈتا ہے۔

موت کے اسی بے رحم اور عالمگیر تصور کو جب ہم اپنے عہد کی قدآور شخصیات کے تناظر میں دیکھتے ہیں، تو دکھ کی لہر مزید گہری ہو جاتی ہے۔ ۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ/ ۲۸/ فروری ۲۰۲۶ء میں علمی و روحانی افق کا ایک روشن ستارہ، جسے دنیا مولانا رکن الدین اصدق کے نام سے جانتی ہے، ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا ہے۔ موت کی جس حقیقت کا تذکرہ اوپر کیا گیا، مولانا کی وفات اس کا ایک ایسا عملی اور سوگوار نمونہ ہے جس نے نہ صرف ان کے پسماندگان بلکہ پورے علمی حلقے کو ملول کر دیا ہے۔ مولانا کی رحلت صرف ایک فرد کا جانا نہیں، بلکہ ایک علمی تسلسل اور فکری سرپرستی کا اٹھ جانا ہے۔ بقول شاعر

فکر کا مہر درخشاں بجھ گیا — فہم کا اک ماہِ تاباں بجھ گیا
موت کی آندھی چلی کچھ اس قدر — اک چراغِ علم و عرفاں بجھ گیا
تجھ کو رکن الدین، جاتے دیکھ کر — چہرۂ لعلِ بدخشاں بجھ گیا

ان کا وصال محض ایک فرد کا اٹھ جانا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک پورے عہد، ایک شاندار علمی روایت، اور ایک بابرکت روحانی سلسلے کا خاموش ہو جانا ہے۔ ان کی رحلت سے اہل سنت و جماعت اور بالخصوص خانقاہی و صحافتی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا پُر ہونا بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔

سید رکن الدین اصدق مصباحی علیہ الرحمہ محض ایک نام نہیں بلکہ ایک تحریک کا عنوان تھے۔ ان کا تعلق اس خانوادۂ عالیہ سے تھا جس کی بنیادیں علمِ نافع اور عشقِ رسول ﷺ پر استوار ہیں۔ ان کی پرورش ایسے علمی ماحول میں ہوئی جہاں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونجتی تھیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی آغوش میں جب آپ کی علمی صلاحیتیں پروان چڑھیں، تو اس وقت کے جید اساتذہ نے بھانپ لیا تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر آسمانِ علم کا مہرِ منیر بنے گا۔

علم میں خشیتِ الٰہی کا رنگ غالب تھا، یہی وجہ ہے کہ گفتگو ہو یا تحریر، اس میں ایک خاص قسم کی تاثیر اور روحانیت جھلکتی تھی۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اعلاءِ کلمۃ اللہ اور مسلکِ حق کی ترجمانی میں صرف کر دی۔

صحافت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں مولانا کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ قرطاس و قلم کو کبھی کسی مصلحت کا شکار نہیں ہونے دیا، نہایت کٹھن حالات میں بھی حق کا پرچم بلند رکھا۔ ان کی تحریروں میں علمی متانت کے ساتھ ادبی چاشنی بھی نمایاں تھی۔

جملوں کی ساخت اور الفاظ کا انتخاب وسیع مطالعے اور زبان و بیان پر مکمل دسترس کی گواہی دیتا تھا۔ رسائل و جرائد کے لیے لکھے گئے ان کے اداریے اور مقالات آج بھی رہنمائی کا مینار ہیں۔ انھوں نے جدید طبقے کو اسلام کی حقیقی روح سے روشناس کرانے کے لیے جس اندازِ فکر کو اپنایا، وہ آپ ہی کے لیے مخصوص تھا۔

آج کے دور میں جہاں خانقاہی نظام پر جمود طاری ہے، وہاں سید رکن الدین اصدق مصباحی نے خانقاہ کو علم اور تربیت کا مرکز بنایا۔ وہ "پیر" سے زیادہ "مربی" اور "معلم" کے روپ میں نظر آئے۔ ان کا ماننا تھا کہ صوفی وہ ہے جس کا ظاہر شریعت کے مطابق اور باطن یادِ الٰہی سے معمور ہو۔ انھوں نے اپنے مریدین اور معتقدین کی تربیت میں ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ ذکرِ الٰہی کے ساتھ ساتھ علمِ دین کا حصول ناگزیر ہے۔ ان کی مجالس میں بیٹھنے والا شخص خود کو دنیا کی آلائشوں سے دور اور خدا کے قریب محسوس کرتا تھا۔

وہ صرف کتابی آدمی نہیں تھے، بلکہ قوم کے سچے نبض شناس بھی تھے۔ ملتِ اسلامیہ کو درپیش چیلنجز، تعلیمی پسماندگی اور سیاسی انتشار پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اتحادِ بین المسلمین اور داخلی انتشار سے بچنے کی تلقین کی۔ ان کا موقف انتہائی واضح تھا کہ جب تک مسلمان اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر نہیں چلیں گے، وہ دنیا میں اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر سکتے۔

مولانا کی علالت اور پھر اچانک وصال کی خبر نے ملک و بیرونِ ملک میں ان کے چاہنے والوں کو سوگوار کر دیا۔ وہ اپنے پیچھے ایک وسیع علمی ذخیرہ، شاگردوں کی ایک بڑی فوج اور عقیدت مندوں کا ایک عظیم الشان حلقہ چھوڑ گئے ہیں، اب ان پس ماندگان کی ذمہ داری ہے کہ وہ حضرت کے مشن کو آگے بڑھائیں۔

آج سید رکن الدین اصدق مصباحی صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن ان کی یادیں، ان کے افکار اور ان کی تحریریں ہمیشہ مشعلِ راہ بنی رہیں گی۔ وہ علم و فضل کا ایک ایسا سورج تھے جو بظاہر غروب تو ہو گیا ہے، لیکن اپنی روشنی کی لکیریں چھوڑ گیا ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت علامہ کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

الٰہی! مولانا نے اپنی تمام تر توانائیاں اور قرطاس و قلم کی جولانیاں تیرے دین کی سربلندی اور مسلکِ حق کی ترجمانی کے لیے وقف کر رکھی تھیں، ان کی ان مخلصانہ کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرما اور ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرما۔

اے ربِ ذوالجلال! تیری بارگاہ میں دعا ہے کہ ان کے پسماندگان، تلامذہ اور عقیدت مندوں کو اس عظیم صدمے پر صبرِ جمیل عطا فرما اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے علم، قلم اور روحانیت کی اس شمع کو روشن رکھ سکیں جسے وہ اپنی پوری زندگی کی محنت سے جلا کر گئے ہیں۔ حضرت کی جدائی کا یہ زخم بظاہر بہت گہرا ہے، مگر ہم تیرے فیصلے پر راضی ہیں اور تیری ہی رحمت کے طلب گار ہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

ماہ نامہ اشرفیہ کے موجودہ شمارے کے چند صفحات کو ہم نے "گوشۂ رکن الدین اصدق" کے طور پر پیش کر رہے ہیں، ان صفحات میں حضرت سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ علامہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ کا تعزیتی پیغام، مصلحِ قوم و ملت حضرت علامہ عبد المبین نعمانی کی تعزیتی تحریر اور چند ایک مضامین شاملِ اشاعت کر رہے ہیں۔ یہ تحریریں ادارہ اشرفیہ کی طرف سے حضرت کی بارگاہِ میں خراجِ عقیدت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تحریروں اور ان کے قلم کاروں کی کاوشات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

■■■

تفہیم قرآن

وضو، غسل اور تیمم کے احکام

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر:6 میں ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْاؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ دھولو، اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور ٹخنوں سمیت پیر دھولو۔ اور اگر تمھیں جنابت لاحق ہو تو خوب پاکی حاصل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی حاجت پوری کرکے آئے، یا تم عورتوں سے ملاقات کرو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو، اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو، اللہ تمھارے لیے کوئی حرج نہیں چاہتا، لیکن وہ تمھیں پاک کرنا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کرنا چاہتا ہے، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

خلاصہ: مذکورہ بالا آیت میں وضو، غسل اور تیمم کے احکام بیان کیے گئے ہیں، جنھیں ہم یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

1 - نماز پڑھنے، قرآن چھونے، مسجد میں جانے اور کعبہ شریف کا طواف کرنے کے لیے طہارت ضروری ہے، اسی لیے ہر مسلمان کو طہارت کے احکام جاننا ضروری ہے، طہارت کی کل تین صورتیں ہیں: وضو، غسل اور تیمم۔

وضو کا بیان:

2 - وضو کے سلسلے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ۔

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ دھولو، اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور ٹخنوں سمیت پیر دھولو۔

اس آیت کے مطابق وضو میں کل چار فرض ہیں: چہرہ دھونا، کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا، سر کا مسح کرنا، ٹخنوں سمیت دونوں پیر دھونا۔

(1)- چہرہ دھونا۔ یعنی پیشانی پر بال اگنے کی جگہ سے لے کر تھوڑی تک، اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک پورا چہرہ ایک بار دھونا فرض ہے، چہرہ دھونے میں اس بات کا خیال رہے کہ آنکھ کے پپوٹے، ناک کے نتھنے اور لب کے کنارے خشک نہ رہ جائے، ورنہ فرض ادا نہیں ہوگا، اگر داڑھی کے بال گھنے نہ ہوں تو کھال دھونا ضروری ہے، اور اگر گھنے ہوں تو گلے کی طرف دبانے سے جس قدر بال چہرے کے گردے میں آئیں ان کا دھونا فرض ہے۔ (بہار شریعت، وضو کا بیان)

(2)- کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا۔ یعنی انگلیوں کے کناروں سے لے کر کہنیوں تک ہاتھ کے ہر حصے پر ایک بار پانی بہانا فرض ہے، ہاتھ دھونے میں اس بات کا لحاظ رہے کہ انگلیوں کی کروٹیں اور ناخنوں کی جڑیں خشک نہ رہ جائیں، ورنہ فرض ادا نہیں ہوگا۔

(3)- سر کا مسح کرنا۔ یعنی سر کے ایک چوتھائی حصے پر ایک بار تر ہاتھ پھیرنا فرض ہے، اور پورے سر کا مسح سنت ہے۔

(4)- ٹخنوں سمیت دونوں پیر دھونا۔ یعنی پیر کی انگلیوں

سے لے کر ٹخنوں تک ہر حصے پر ایک بار پانی بہانا فرض ہے، پیر دھونے میں اس بات کا خیال رہے کہ انگلیوں کے کناروں اور ناخنوں کی جڑوں تک پانی پہنچے، ورنہ فرض ادا نہیں ہوگا۔

یہ وضو کے فرائض ہیں، اگر کوئی انھی فرائض پر اکتفا کر لے تب بھی اس کا وضو ہو جائے گا، لیکن وضو کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو کی نیت کرے، پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے، پھر دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھوئے، پھر مسواک کرے، پھر تین بار کلی کرے، روزہ نہ ہو تو غرارہ بھی کرے، تاکہ منھ کا ہر گوشہ صاف ہو جائے، پھر داہنے ہاتھ سے ناک کے نرم حصے تک پانی چڑھائے، اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ناک کے اندرونی حصے کی صفائی کرے، پھر تین بار چہرہ دھوئے، پھر تین بار دایاں اور تین بار بایاں ہاتھ دھوئے، پھر پورے سر کا مسح کرے، سر کے ساتھ کان کے اندر باہر اور گردن کا بھی مسح کرے، اخیر میں تین بار دایاں اور تین بار بایاں پیر دھوئے، اور انگلیوں میں خلال کرے، وضو سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھے: اللهم اجعلني من التوابين، واجعلني من المتطهرين-

بہت سے افراد وضو کے معاملے میں بڑی بے توجہی برتتے ہیں، اعضائے وضو کو کامل طور پر نہیں دھوتے، چہرہ، ہاتھ اور پیر دھونے کے لیے جو حدیں متعیّن کی گئی ہیں وہاں تک پانی نہیں پہنچاتے، جس سے ان کا وضو نہیں ہوتا، اور وہ عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ سفر میں بعض صحابۂ کرام نے بعجلت وضو کیا، اور وضو میں پیر دھونے کے بجائے مسح کر لیا، پیروں پر پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ويل للأعقاب من النار، أسبغوا الوضوء

(صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: 241)

یعنی خشک ایڑیوں کے لیے جہنم کا عذاب ہے، کامل وضو کرو۔

اعضائے وضو میں بال برابر جگہ خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا، چناں چہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے وضو کیا، اور پیر میں ناخن برابر جگہ دھونے سے رہ گئی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: ارجع فأحسن وضوءك.

(صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۲۴۳)

جاؤ، صحیح سے وضو کرو، تو وہ صاحب گئے، وضو کیا، پھر نماز پڑھی۔

ان دونوں احادیث مبارکہ کے مطابق اعضائے وضو کو کامل طور پر نہ دھونے والے کا وضو نہیں ہوتا، اور اس کے لیے جہنم کی وعید ہے۔

غسل کا بیان:

3 - اب آئیے وضو کے بعد غسل کے احکام جاننے کی کوشش کرتے ہیں، غسل کے سلسلے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ یعنی اگر تمھیں جنابت لاحق ہو تو خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو۔

غسل میں تین فرض ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، پورے بدن پر پانی بہانا۔

(1) -کلی کرنا۔ یعنی ہونٹ سے لے کر حلق تک منھ کے ہر حصے، زبان کے نیچے اور دانتوں کے ہر گوشے میں پانی پہنچانا۔

(2)-ناک میں پانی چڑھانا۔ یعنی سونگھ کر پانی چڑھانا تاکہ دونوں نتھنوں میں جہاں تک نرم جگہ ہے دھل جائے، اور اگر رینٹھ وغیرہ سوکھ کر جم جائے تو اسے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے صاف کرے۔

(3)-تمام ظاہر بدن پر پانی بہانا۔ یعنی سر کے بالوں سے پیر کے تلووں تک جسم کے ہر پرزے، ہر رونگٹے پر پانی بہانا، بطور خاص ان اعضا کو دھونا جہاں بآسانی پانی نہیں پہنچتا، مثلاً کانوں کے پیچھے، بغل، ناف اور دونوں پیروں کے درمیان ہر حصۂ بدن کو دھونا۔

یہ تو غسل کے فرائض ہوئے، لیکن غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے، پھر دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھوئے، پھر استنجا کی جگہ دھوئے، خواہ نجاست لگی ہو یا

نہ لگی ہو، پھر بدن پر جہاں نجاست لگی ہو اس کو دھوئے، پھر نماز کی طرح وضو کرے، لیکن پیر نہ دھوئے، پھر تین بار دائیں مونڈھے پر، پھر تین بار بائیں مونڈھے پر پانی بہائے، پھر تین بار سر اور پورے بدن پر پانی بہائے، اخیر میں نہانے کی جگہ سے الگ ہوکر پیر دھولے، اس طرح خوب پاکی حاصل ہوجائے گی، جیساکہ قرآن کریم نے تعلیم دی۔

تیمم کا بیان:

وضو وغسل کے بعد تیمم کے احکام بھی ملاحظہ کرتے چلیں، تیمم کے سلسلے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ۔

یعنی اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی حاجت پوری کرکے آئے، یا تم عورتوں سے ملاقات کرو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو، اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو۔

تیمم، وضو وغسل کا متبادل ہے، اسی لیے وہی شخص تیمم کر سکتا ہے جو وضو وغسل پر قدرت نہیں رکھتا، وضو وغسل پر قدرت نہ ہونے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، جن میں یہ دو صورتیں کثیر الوقوع ہیں۔

ایک یہ کہ بندہ ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں دائیں بائیں آگے، پیچھے ایک میل تک پانی دستیاب نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ پانی تو ہو، لیکن پانی کے استعمال سے بیمار ہوجانے، یا بیماری بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو۔

ان دونوں صورتوں میں وضو وغسل دونوں کی جگہ تیمم کی اجازت ہے، تیمم کے تین فرض ہیں: نیت کرنا، چہرہ پر مسح کرنا، دونوں ہاتھ پر مسح کرنا۔

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ تیمم کی نیت کرکے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے، پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ کرکے زمین یا جنس زمین کی کسی بھی چیز پر ہاتھ مارے، زیادہ گرد لگ جائے تو جھاڑ لے، پھر سارے منھ کا مسح کرے، پھر زمین پر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کا مسح کرے۔ چہرے اور ہاتھ کے مسح میں اس بات کا خیال رہے کہ کوئی ذرہ ایسا نہ رہ جائے جس پر مسح نہ ہوا ہو، ورنہ تیمم نہیں ہوگا۔ تیمم میں منھ اور ناک کے اندرونی حصے پر مسح نہیں ہوتا، یوں ہی سر یا پیر پر مسح نہیں ہوتا، چہرے اور ہاتھ پر ایک ہی بار مسح ہوتا ہے۔

تیمم، وضو وغسل کا نائب اور خلیفہ ہے، لہٰذا تیمم کے بعد بندہ ایسے ہی پاک ہوجاتا ہے جیسے وضو وغسل کے بعد ہوتا ہے، تیمم کے بعد وہ سارے فرائض وواجبات اور سنن ونوافل روا ہوجاتے ہیں جن کے لیے وضو وغسل ضروری ہے۔ تیمم بھی ان چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے جن سے وضو وغسل ٹوٹ جاتا ہے، اس کے علاوہ جس عذر کی وجہ سے تیمم کیا اس کے عذر کے ختم ہوتے ہی تیمم برخواست ہوجاتا ہے۔

پانی کی کمی، بیماری یا کسی بھی مجبوری کی صورت میں تیمم کی مشروعیت اس بات پر دلیل ہے کہ ہمارا دین آسان ہے، اور یہ کہ اللہ رب العزت ہر معاملے میں ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرماتا ہے، وہ وضو وغسل اور تیمم کی پابندیوں کے ذریعے ہم پر سختی نہیں فرماتا، بلکہ ہمارے ظاہر وباطن کی طہارت وپاکیزگی کا اہتمام فرماتا ہے، لہٰذا اس کے کرم سے ملنے والی ہدایت اور توفیق خیر پر ہمہ وقت اس کا شکر ادا کیا جائے، فرمایا:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶۔

اللہ تمھارے لیے کوئی حرج نہیں چاہتا، لیکن وہ تمھیں پاک کرنا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کرنا چاہتا ہے، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

طہارت کی دولت اور وضو کی نعمت پر شکر کا سب سے بہترین طریقہ تحیۃ الوضو ہے، تحیۃ الوضو کا یہ مطلب ہے کہ جب بھی وضو کرے، اعضاے وضو خشک ہونے سے پہلے اگر وقت مکروہ نہ ہو تو دو رکعت نفل ادا کرلے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من مسلم يتوضأ فيحسن وضوءه، ثم يقوم فيصلي ركعتين مقبل عليهما بقلبه ووجهه إلا وجبت له الجنة. (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۲۳۴)

یعنی جو بھی مسلمان کامل وضو کرکے حضور قلبی کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ ◘

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

مفتی محمد نظام الدین رضوی

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین

سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

کھاتہ میں اندراج اور زکات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: کھاتہ میں اندراج قبضہ ہے یا نہیں؟

مجلس شرعی اشرفیہ مبارک پور کے چھٹے فقہی سیمینار منعقدہ ۱۹۹۸ء میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ کھاتہ میں اندراج حقیقی، حکمی، مجازی قبضہ کی کسی صورت میں داخل نہیں ہے۔

(۱)-اگر یہی حکم ہے کہ تو کافی معاملات میں پریشانی کا سامنا ہوتا ہے، مثلاً اگر کسی نے بینک کے ذریعہ زکوٰۃ کی رقم شرعی فقیر کے اکاونٹ میں جمع کروائی، جب تک شرعی فقیر یا اس کے نائب کا قبضہ حسی اس مال پر نہ ہوجائے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۲)-اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں کچھ مال بذریعہ بینک کسی دوسرے شخص کے اکاونٹ میں بطور ہبہ منتقل کردے اور قبضہ حسی سے قبل واہب کا انتقال ہو گیا تو اب یہ دلائل بیان فرمادیں۔

الجواب: لیجر بک میں کسی کے نام کچھ رقم کا اندراج اصل وضع کے لحاظ سے ہبہ ہی نہیں ہے البتہ عرفِ ناس میں عموماً تملیک کے لیے ہی کھاتے ہیں جمع واندراج ہوتا ہے اس لیے وہ ہبہ مانا جاتا ہے، جیسے باپ اپنے بیٹے کے نام زمین رجسٹری کرائے تو بحکم عرفِ شائع وہ ہبہ قرار پائی ہے۔

رد المحتار میں ہے:"وفي المنح عن الخانية: قال جعلته بنی بکون هبة لأن الناس یر یدون به التملیك والهبة." اھ. قال الرملي: أقول: ما في الخانية أقرب یعرف الناس." اھ ملتقطًا.(رد المحتار، ص:491، ج:8، کتاب کتاب الهبة، مبحث ألفاظ الهبة، بیروت)

فتویٰ رضویہ میں ہے:"شِرا زید کے لیے واقع، اور زید ہی اس کا مالک ہوا، اب بعد اس کے جب کہ تحریر قبالہ وغیرہ کاروائیاں بنام عمر و کرائیں تو یہ بحکم عرف شائع، زید کی طرف سے عمرو کے لیے ہبہ ہوا، پس بربنائے ہبہ قبضۂ کاملہ پالیا تھا تو مکان ملکِ عمرو ہو گیا۔"(فتاویٰ رضویہ، ص:52، 53، ج:8، کتاب الہبۃ، سنی دار الاشاعت)

ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص ۱۱۷، ج ۸ میں بھی ہے۔

مگر اندراج قبضہ نہیں۔ ہاتھ کا قبضہ نہ ہونا تو ظاہر ہے اور تخلیہ کے طور پر بھی قبضے کا تحقق نہیں ہوتا، کیوں کہ تخلیہ کے ذریعہ قبضہ پائے جانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز بس اتنے فاصلے پر ہو کہ جسے وہ چیز ہبہ کی گئی وہ ہاتھ بڑھا کر اس کو لے سکے۔ مگر بینک میں یہ صورت اس وقت پائی جاتی ہے جب چیک کی منظوری کے بعد وہ کاؤنٹر پر پہنچ جائے اور روپئے اس کے سامنے رکھ دیے جائیں تو جس وقت یہ حالت پائی جائے اس وقت تخلیہ کے ذریعہ قبضہ متحقق ہوگا، اس سے پہلے قبضہ نہ ہوگا۔

ہاں "تمکن من القبض" کو بھی فقہا نے قبضہ مانا ہے، جیسے مقفل صندوق اس کی کنجی کے ساتھ ہبہ کر کے حوالہ کردے۔ بینک کا ATM کارڈ کنجی کے درجے میں ہے اور چیک وغیرہ کے ذریعہ عموماً بآسانی روپئے وصول ہوجاتے ہیں، اس لیے بظاہر سوچا جاسکتا ہے کہ یہاں تمکن من القبض موجود ہے مگر تمکن کی یہ صورت وہی تخلیہ والی صورت ہے، جس کے لیے موہوب لہ سے شئ موہوب کا وہ قرب خاص ضروری ہے اس لیے یہ تمکن قرب قبضہ نہیں۔

مال کی دو قسمیں ہیں: مال مباح۔ مال مملوک

پھر مال مملوک دین قوی ہوتا ہے یا متوسط یا ضعیف۔

مال مباح کے لیے قبض بالید ضروری ہے، یعنی مال کو ہاتھ

میں لے لینا۔ مجلس شرعی کے فیصلے کا تعلق اسی مال سے ہے۔ اور مال مملوک دین قوی ہو تو کھاتے میں جمع واندران بھی قبضہ کے لیے کافی ہے کہ وہ پہلے ہی سے حکماً مقبوض ہے، اور جمع واندراج کے بعد بدرجۂ اولیٰ مقبوض ہوگا جی، پی، ایف کا حکم یہی ہے۔ فتاویٰ رضویہ کا درج ذیل اقتباس اس مسئلے کی وضاحت کے لیے کافی ہے: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ثانیاً: ہاں ہبہ صحیحہ میں مذہب صحیح پر تخلیہ مثل بالبراجم ہے... مگر یہاں اعتبار تخلیہ کے لیے جو تمکن قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شئ موہوب، موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تو اس تک پہنچ جائے، اٹھ کر اس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو، فقط الماری اور صندوق کا کھلا ہونا ہرگز کافی نہیں، بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

"لو اشترى ثوبا فأمره البائع يقبضه حتى أخذه انسان إن كان حين أمره بقبضه أمكنه من غير قيام صح التسليم وإن كان لايمكنه الا بقيام لايصح."

قاضی خاں و فتاوی عالم گیریہ میں ہے: "إن كان حين أمره البائع بالقبض أمكنه أن يمد يده و يقبض من غير قيام صح التسليم وإلا فلا."

یہاں سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ الماری کھولتے وقت ہندہ کتنے فاصلہ پر ہوتی تھی، نہ اس نے کہا کہ کبھی زید نے اس وقت ہندہ کو بلا کر اتنا پاس بٹھا کر یہ الفاظ کہے کہ ہندہ ہاتھ بڑھاتی تو روپیوں کی تھیلی ہاتھ آجاتی تو شرط تخلیہ کا تحقق سوال سے ظاہر نہیں بلکہ ظاہر عدم ہے کہ ایسا ہوا ہوتا تو اس کا بیان ترک نہ کرتا۔

ثالثاً: تحقق تخلیہ کے لیے صرف تمکن قبضہ فی الحال ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلی مخلی لہ کو قبضہ کا حکم کرے مثلاً خذہ یا اقبضہ کہے یا خلیت لک عنہ یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے۔ فتاویٰ قاضی خاں وفتاوی ظہیریہ وفتاویٰ ہندیہ و بحر الرائق ورد المحتار وغیر ہا میں ہے:

"واللفظ للخانية: ان دفع إليه المفتاح ولم يقل خليت بينك و بين الدار فاقبضه لم يكن ذلك قبضا."

محیط پھر عالم گیریہ میں ہے: "إذا لم يقل اقبضه فإنما القبض ان ينقله." (فتاویٰ رضویہ، ص:88-89، ج:5)

یہاں قبضہ کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بینک کا عملہ وکیل قبض مان لیا جائے۔ مگر یہ حقیقت تو سب پر عیاں ہے کہ یہ عملۂ حکومت ہے اور حکومت کا ہی وکیل ہے عام انسانوں کی طرف سے وہ وکیل قبض نہیں ہے۔

آپ نے معاملات میں جن پریشانیوں کا ذکر کیا ہے وہ موہوب لہ کی طرف سے قبضہ میں تاخیر کے سبب ہے، عام حالات میں موہوب لہ قبضہ کر کے شئ موہوب پر ملک کامل حاصل کر سکتا ہے اور ہرگز اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ مفت میں مال مل رہا ہے تو اتنی زحمت تو اسے کرنی ہی چاہیے کہ اس پر جلد قبضہ کر لے، اس طرح کی زحمتیں تو بیشتر امور میں پائی جا سکتی ہیں مگر کھانا بروقت مہیا ہے مگر کوئی شخص نہ کھائے، پانی موجود ہے مگر نہ پیے، یہاں تک کہ دستر خوان سمیٹ دیا جائے اور وہ بھوک، پیاس کی مشقتیں اٹھائے۔ یا سامنے سایہ دار درخت ہے مگر چند قدم زحمت نہ فرما کر دھوپ کی تپش میں پڑا رہے وغیرہ وغیرہ۔

شریعت طاہرہ نے حرج و پریشانی کا لحاظ کیا ہے مگر ایسا نہیں کہ ہر قسم کی پریشانی کا لحاظ ہو، خواہ وہ کیسی ہی ہو، بلکہ وہ پریشانی شرعی اصطلاح کے مطابق درجۂ حاجت یا درجۂ ضرورت واضطرار میں ہونی چاہیے اور آپ کی ذکر کردہ پریشانی حاجت وضرورت کے درجے کی نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مجلس شرعی کے فیصلے کا تعلق مال مباح سے ہے اور آپ نے جو مسئلہ دریافت کیا ہے اس کا تعلق مال مملوک سے ہے، اور محض لیجر بک میں اندراج میری نگاہ میں شرعی نقطۂ نظر سے قبضہ نہیں، جیسا کہ فقہی عبارات اور فقہا کی تصریحات سے عیاں ہے، اور آپ کی ذکر کردہ پریشانی کا سبب یہاں حکم شرعی نہیں، بلکہ موہوب لہ کی غفلت وتساہلی ہے۔ ایسے افراد کو حکم شرعی سے آگاہ کیا جائے، ساتھ ہی ہدایت کی جائے کہ اپنے ایسے سرمایے پر جلد از جلد قبضہ کر لیا کریں۔ میرے سامنے جو فقہی جزئیات ہیں ان کی پیش نظر حکم یہی ہے کہ لیجر بک میں اندراج قبضہ نہیں تاہم بحث وتحقیق کی گنجائش ہے کوئی فقیہ یا مجلس فقہا اس پر تحقیق کرے تو غور کیا جائے گا۔ کثرت کار وعلالت، وفتنۂ حاسدین کے باعث فی الحال اس سے زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں۔ لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا، هو المستعان و هو تعالىٰ أعلم۔■■■

شواھد ونتائج

حدیث ضعیف سے متعلقہ افادات رضویہ

سید حدیر الحسن شاہ

ضعیف کی تعریف: علامہ سید علی بن محمد شریف جرجانی قدس سرہ (م:816ھ) فرماتے ہیں؛

هو ما لا يجتمع فيه شروط الصحيح و الحسن

ترجمہ: ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحیح یا حسن کی شرائط جمع نہ ہوں۔ (علم اصول حدیث صفحہ 43 مطبوعہ دار ابن حزم)

بلفظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ حدیث جس کے راویوں میں صحیح اور حسن کی تمام یا بعض شرائط مفقود ہوں اور یہ کمی پوری نہ ہو۔ یاد رہے کہ حدیث میں ضعف راوی کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ کوئی بھی حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوجائے وہ ہرگز ضعیف نہیں۔

ضعیف کا حکم: امام اہلسنت امام احمد رضا خان محدثِ بریلی المتوفی علیہ الرحمہ (1340ھ) فرماتے ہیں:

"حدیث ضعیف بالاجماع فضائل میں مقبول ہے تو اباحت میں بدرجہ اولیٰ." (فتاویٰ رضویہ جلد 1 صفحہ 240)

"فضائل اعمال سے مراد اعمالِ فضائل (اعمال حسنہ) ہیں یعنی وہ اعمال کہ بہتر و مستحسن ہیں نہ خاص ثَواب اعمال۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 600)

"(درجہ احکام میں) اگرچہ اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 478)

"حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محلِ احتیاط میں ہو۔" (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 494)

تنبیہ: احادیث ضعیف اگرچہ مواعظ ترغیب و ترہیب میں بیان کی جاسکتی ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ ضعیف حدیث کی نسبت بالجزم سرکار صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی طرف کرنا روا نہیں

(ملخصا وملتقطا از فتاویٰ رضویہ جلد 30 صفحہ 109)

ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ **روي عن رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم يا بلغنا عنه صلى الله تعالى عليه واله وسلم كذا.**

حدیث ضعیف کے مراتب: امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے حدیث ضعیف کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں:

اول: ضعیف بضعف قریب یعنی ضعف اتنا کم ہے کہ لائق اعتبار ہے مثلاً یہ ضعف، اختلاط راوی، سوئے حفظ، تدلیس کی وجہ سے ہے یہ متابعات و شواہد کے کام آتی ہے اور جابر سے قوت پاکر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہوجاتی ہے۔

دوم: **ضعيف به ضعف قوى و وهن شديد**

جیسے وہ حدیث جو راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہو بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جدائی ہو یہ احکام میں لائق احتجاج نہیں البتہ مذہب راج پر فضائل میں مقبول ہاں تعدد مخارج و تنوع طرق سے انجبار کے بعد بالاتفاق مقبول۔

سوم: وہ جس کا راوی وضاع کذاب یا متہم بالکذب ہو

یہ حدیث ضعیف کی بدترین قسم ہے بلکہ بعض محاورات کی بنا مطلقا اور ایک اصطلاح پر اگر اس کا مدار کذب پر ہو تو اسے موضوع کہتے ہیں بنظر دقیق ان اصطلاحات پر یہ قسم موضوع حکمی میں داخل۔

چہارم: موضوع۔ یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ کہیں لائق اعتبار حتی کہ فضائل میں بھی بلکہ اسے حدیث کہنا بطور مجاز ہے حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔

ضعیف کی اقسام: حدیث ضعیف کی تعریف کے اعتبار سے کئی قسمیں ہیں امام جلال الملت والدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بقول عراقی شیخ ابن صلاح نے بیالیس، ابن حبان نے انچاس بعض محدثین نے تریسٹھ، اور شیخ شرف الدین مناوی نے ایک سو انتیس قسمیں ذکر کی ہیں، ان میں سے بہت سی اقسام کے لیے

مخصوص القاب و اسما ہیں جیسے شاذ، موضوع ، مقلوب، معلل، مضطرب، مرسل منقطع، محصل اور منکر، اور بعض ضعیف ہی کے لقب سے جانی جاتی ہیں۔ (تدریب الراوی شرح تقریب النووی جلد 1 النوع الثالث صفحہ 196 مطبوعہ دار طیبہ)

کون سی ضعیف تعدد طرق سے حسن بنتی ہے؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں: "حدیث اگر متعدّد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایت شدّت و قوّت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکامِ حلال و حرام میں حجّت ہو جاتی ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 472)

یاد رہے کہ "حصول قوت کے لیے کچھ بہت سے ہی طرق کی حاجت نہیں صرف دو بھی مل کر قوت پا جاتے ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 475)

واضح ہوا کہ ضعیف بضعف قریب ہی تعدد طرق ضعف سے درجہ حسن کو پاتی ہے اور اسکے لیے کم از کم دو مروی ہونا کافی ہے۔

فسق، بدعت، فحش غلط، کذب، اتہام بالکذب، کثرت غفلت، بدعت مکفرہ وغیرہ ضعف شدید اور باقی کم درجے کے قوادح مثلاً اختلاط راوی، سوء حفظ، تدلیس، ارسال، شذوذ، انقطاع، ابہام راوی جہالت راوی، بدعت غیر مکفرہ وغیرہ ضعف قریب ہیں۔ (ماخوذ از رسالہ منیر العین)

کون سا ضعف فضائل میں قبول ہے؟

فضائل میں روایت کے قبول ہونے کے لیے ضعف قریب کی بھی تخصیص نہیں خواہ ضعف بعید ہی کیوں نہ ہو جب تک روایت موضوع نہیں تب تک اسے فضائل میں بیان کرنا جائز ہے۔ چنانچہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جمہور علما کے عامہ کلمات مطالعہ کیجیے تو وہ مواقع مذکورہ میں قابلیت عمل کے لیے کسی قسم ضعف کی تخصیص نہیں کرتے، صرف اتنا فرماتے ہیں کہ موضوع نہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 524)

حدیث ضعیف کب قوی ہو جاتی ہے؟

1) تعدد طرق سے ضعیف حدیث درجہ حسن کو پہنچ کر مثل صحیح احکام میں مقوی ہو جاتی ہے۔ (ملتقطا از فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 472)

2) اہل علم کے عمل کر لینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو۔ (ایضاً صفحہ 475)

3) بالفرض اگر ایسی جگہ ضعفِ سند ایسی ہی حد پر ہو کہ اصلاً قابلِ اعتماد نہ رہے مگر جو بات اس میں مذکور ہوئی وہ علما و صلحا کے تجربہ میں آچکی تو علمائے کرام اس تجربہ ہی کو سند کافی سمجھتے ہیں کہ آخر سند کذب واقعی کو مستلزم نہ تھا۔ (ایضاً صفحہ 551)

4) تلقی امت بالقبول سے بھی حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔ "تلقی علماء بالقبول وہ شے عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی" (فتاویٰ رضویہ جلد 30 صفحہ 659)

مختصر افادات رضویہ: سنیت بھی حدیث ضعیف سے ثابت ہو سکتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 600)

راوی کی تعریف و ستائش، روایت کی تعریف و ستائش نہیں۔ اور راوی کا فی نفسہ صادق ہونا، حدیث میں اس کے ضعیف ہونے کے منافی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 3 صفحہ 353)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم (سیر و مغازی) میں صحاح در کنار ضعاف بھی مقبول۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 9 صفحہ 654,)

ضعف راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم و جزاف ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 453)

بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے اعتبار سے۔ (ایضاً صفحہ 468)

کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل و موضوع۔ (صفحہ 443)

چند اوہام یا کچھ خطائیں محدث سے صادر ہونا نہ اسے ضعیف کر دیتا ہے نہ اس کی حدیث کو مردود۔ (صفحہ 184)

حدیث معلول کے لیے ضعف راوی ضروری نہیں۔ (صفحہ 206)

ضعیف و متروک راوی میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ضعیف کی حدیث معتبر و مکتوب اور متابعت و شواہد میں مقبول ہے بخلاف متروک۔ (صفحہ 303)

حدیث ضعیف پر عمل ہے لئے خاص اس فعل میں حدیث صحیح کا آنا ضروری نہیں۔ (صفحہ 501)

کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف ہی کو مستلزم نہیں۔ (صفحہ 548) (باقی ص:30پر)

فکرامروز

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو؟

محمد فداء المصطفیٰ قادری، پی جی اسکالر: دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی کیرلا

آج امتِ مسلمہ نہایت نازک اور آزمائش بھری گھڑی سے گزر رہی ہے۔ چاروں طرف ایسے حالات پیدا کر دیے گئے ہیں جن میں مسلمانوں کو کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ باطل قوتیں پوری طاقت کے ساتھ عالمِ اسلام کے خلاف صف آرا ہیں اور یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اس دور میں بقا اور عزت کا راستہ صرف اتحاد و اتفاق میں ہی مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بار بار مسلمانوں کو اتحاد اختیار کرنے اور اختلاف و تفرقہ سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ سورۂ آل عمران میں واضح حکم دیا کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ یہ محض ایک نصیحت نہیں بلکہ کامیابی اور سربلندی کا بنیادی اصول ہے۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے باہمی محبت، اخوت اور دلوں کے جوڑ کو اپنی عظیم نعمت قرار دیا، اور یاد دلایا کہ کبھی تم ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اس نے تمھارے دلوں کو جوڑ کر تمھیں بھائی بھائی بنا دیا۔

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی سختی سے روکا کہ کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو واضح ہدایات ملنے کے بعد بھی فرقوں میں بٹ گئے اور اختلافات میں پڑ گئے۔ سورۂ انعام میں ایسے لوگوں سے براءت کا اعلان کیا گیا ہے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑوں میں تقسیم کر لیا اور گروہ در گروہ بن گئے۔ اسی طرح سورۂ روم میں گروہ بندی اور فرقہ واریت کو مشرکین کا طرزِ عمل قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں اتحاد اختیار کرنا صرف وقتی ضرورت نہیں بلکہ دینی فریضہ اور زندہ قوم کی پہچان ہے۔ اگر ہم نے باہمی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر ایک ہونے کی کوشش نہ کی تو ہماری کمزوری مزید بڑھتی جائے گی۔ لیکن اگر ہم اخلاص کے ساتھ اتحاد کو اپنائیں، ایک دوسرے کے دکھ درد کو سمجھیں اور مشترکہ مقاصد کے لیے متحد ہو جائیں تو یہی اتحاد ہماری طاقت بن جائے گا اور کامیابی کا دروازہ کھول دے گا اور یہی سبق ہمیں قرآن دیتا ہے کہ نجات، عزت اور کامیابی اتحاد میں ہے، جب کہ تفرقہ صرف زوال اور نقصان کا سبب بنتا ہے۔

آج اگر ہم سنجیدگی کے ساتھ عالمِ اسلام کے حالات پر نظر ڈالیں تو ایک تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے۔ دشمن کی مسلسل سازشوں کے ساتھ ساتھ ہماری اپنی کمزوریاں، نااہلیاں اور دور اندیشی کی کمی بھی اس زوال کا بڑا سبب بنی ہیں۔ نتیجتاً امتِ مسلمہ اس مقام پر آ پہنچی ہے جہاں اس کا حال اس آیت کی عملی تصویر معلوم ہوتا ہے جس میں گروہوں میں بٹ جانے کو مشرکانہ روش قرار دیا گیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا آج مسلمان مختلف حصوں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم نہیں ہو چکے؟ کیا یہ تقسیم اسی نقشے کے مطابق نہیں جسے عالمی طاقتوں نے اپنے مفادات کے لیے ترتیب دیا؟ اور صرف جغرافیائی تقسیم ہی نہیں، بلکہ ہماری مساجد، ہمارے معاشرے اور ہماری صفوں میں بھی اختلافات نے گہری جڑیں پکڑ لی ہیں۔ وہی کیفیت نظر آتی ہے جسے ڈاکٹر اقبال نے بڑے درد کے ساتھ بیان کیا کہ:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ معاملہ یہاں تک جا پہنچا ہے کہ ہماری شناخت بھی منتشر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہم اپنے آپ کو مختلف ناموں، قومیتوں اور برادریوں سے تو پہچانتے ہیں، مگر اصل پہچان یعنی "مسلمان" ہونا پس منظر میں چلا گیا ہے۔ اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اقبال نے سوال اٹھایا تھا:

9037099731 fidaulmusthafa938@gmail.co

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو!
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو؟

یہ شعر دراصل ہمارے لیے آئینہ ہے جو ہمیں ہماری حقیقت دکھاتا ہے۔ اگر ہم نے اب بھی ہوش نہ سنبھالا اور اتحاد کی طرف واپس نہ آئے تو یہ تفرقہ ہمیں مزید کمزور کرتا چلا جائے گا۔ اگر ہم اپنی اصل شناخت کو پہچان لیں اور اختلافات کو چھوڑ کر ایک امت بن جائیں، تو یہی بکھری ہوئی طاقت پھر سے ایک مضبوط قوت میں بدل سکتی ہے۔

آج کا منظر نامہ نہایت فکر انگیز ہے۔ دنیا میں باطل نظام کی قیادت کرنے والی طاقتیں، خصوصاً یونائٹڈ اسٹیٹ اور اس کی پشت پناہی میں قائم اسرائیل، اس انداز سے اپنی قوت کا اظہار کر رہی ہیں جیسے انھیں کسی کا خوف نہ ہو۔ مگر افسوس کہ ایسے نازک وقت میں امتِ مسلمہ متحد ہو کر ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے آپس کے اختلافات میں الجھی ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دشمن کی چالاکیوں اور سازشوں نے ہمیں اس قدر متاثر کیا ہے کہ ہم خود ہی ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو گئے ہیں۔ بھائی بھائی کا مخالف بن چکا ہے اور عالم اسلام کے حکمران بھی باہمی کشمکش اور ٹکراؤ میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ یہ صورتِ حال نہ صرف کمزوری کی علامت ہے بلکہ ہماری اجتماعی ناکامی کی بھی واضح دلیل ہے۔ سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور قرآن و حدیث کی رہنمائی کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ قرآنِ کریم بار بار ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا قریبی دوست اور رازدار نہ بناؤ، کیوں کہ ان کے مفادات تم سے مختلف ہیں۔ لیکن اس واضح تنبیہ کے باوجود ہم ان ہی طاقتوں سے قربت بڑھانے، ان پر اعتماد کرنے اور ان کے ساتھ تعلقات مضبوط کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اگر امتِ مسلمہ اسی غفلت کا شکار رہی تو حالات مزید بگڑ سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں، دشمن کی چالوں کو سمجھیں اور اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ جب تک ہم باہمی اختلافات کو ختم کر کے ایک مضبوط قوت نہیں بنتے، اس وقت تک نہ ہم اپنی حفاظت کر سکتے ہیں اور نہ ہی عزت و وقار کے ساتھ دنیا میں اپنا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

اور آج ملتِ اسلامیہ جس بے بسی کے ساتھ حالات کا مشاہدہ کر رہی ہے، وہ نہایت تشویشناک ہے۔ اگر امت میں اسی طرح انتشار اور باہمی اختلافات برقرار رہے تو مستقبل میں جو تباہی اور زوال ہمارا مقدر بن سکتا ہے، اس کے آثار ابھی سے نمایاں دکھائی دے رہے ہیں۔ یہی وہ لمحہ ہے جو ہمیں جھنجھوڑتا ہے کہ ہم سنبھل جائیں اور اپنے اصل راستے کی طرف لوٹ آئیں۔

ایسے نازک وقت میں قرآن حکیم ہمیں واضح اور دوٹوک رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ سورۂ حجرات کی آیت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا ان کے درمیان تعلقات کو درست کرنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا ہی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح جب میدانِ مقابلہ کی بات آتی ہے تو قرآن ہمیں ثابت قدمی، کثرتِ ذکرِ الٰہی، اطاعتِ الٰہی و رسول اور باہمی اتحاد کا حکم دیتا ہے، اور سختی سے تنبیہ کرتا ہے کہ آپس کے جھگڑے تمھیں کمزور کر دیں گے اور تمھاری طاقت کو ختم کر دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن قدم قدم پر ہماری رہنمائی کر رہا ہے، ہمیں جگا رہا ہے، ہمارے ضمیر کو آواز دے رہا ہے، مگر افسوس کہ ہم اپنی روش بدلنے کے لیے تیار نہیں۔ حالانکہ ہماری بنیادیں ایک ہیں: ہمارا اللہ ایک، ہمارا رسول ایک، ہمارا دین ایک، ہماری کتاب ایک اور ہمارے مقاصد بھی ایک ہیں۔ اتنی مضبوط یکسانیت کے باوجود اگر ہم متحد نہیں ہو پاتے تو یہ ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اسی درد کو محسوس کرتے ہوئے مفکرِ اسلام ڈاکٹر محمد اقبال نے برسوں پہلے ہمیں متوجہ کیا تھا کہ اگر مسلمان واقعی ایک ہو جائیں تو یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ ایک عظیم قوت بن سکتی ہے۔ اور انھوں نے پکار کر کہا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

آج بھی ہماری بقا، سلامتی اور عزت کا راستہ اسی اتحاد میں پوشیدہ ہے۔ اگر ہم نے اس پیغام کو سمجھ لیا تو کوئی طاقت ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ■■■

شعاعیں

انسانی حقوق کا تصور
تصوف اور اہل تصوف کے حوالے سے

جہانگیر عالم، ریسرچ اسکالر SHSS، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

انسانی حقوق سے مراد وہ بنیادی حقوق ہیں جو تمام انسانوں کو پیدائشی اعتبار سے حاصل ہیں، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نسل، مذہب، جنس، زبان، معاشرہ یا طبقے سے ہو۔ یہ حقوق آج کل کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ جب سے اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تب سے چلے آرہے ہیں، مگر یہ بھی انسانوں کی طرح بتدریج ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں۔

آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی نبی مبعوث ہوئے سب نے انسانی حقوق کو پابندی سے ادا کرنے کی تبلیغ کی مگر جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی تو آپ نے بھی انسانی حقوق کو بتایا، اور اسے عملی جامہ پہنا کر دکھایا، اور انسانی حقوق کا ایسا سبق پڑھایا کہ حقوق کے بھی حق ادا ہو گئے۔ آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین پھر ان کے بعد ایک اور جماعت نکلی جن کو اہلِ تصوف کہا گیا، نے ان حقوق کے سبق کو دوسروں تک پہنچایا اور اس کے پیغام کو عام کیا۔ صوفیاے کرام کی اس جماعت نے حقوق کو محض قانونی فریم ورک تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے روحانی تربیت، باطنی پاکیزگی اور خدا سے تعلق کا لازمی جز بنا دیا۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں ایک حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد۔ پہلے کا تعلق خدا سے ہے، اس کا مطلب ہے اس کو ایک جان اور مان کر اس کی بندگی کرنا اور اس کے بتائے گئے احکام کو بجالانا۔ اور دوسرے کا تعلق بندوں کے ساتھ ہے۔ بندوں کے حقوق کا ذکر بھی قرآن و حدیث میں نہایت ہی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ جیسے حقِ زندگی کے بارے میں سورۃ مائدہ کی آیت میں ہے کہ جس نے ناحق کسی انسان کا خون کیا گویا اس نے انسانیت کا خون کیا اور جس نے اسے بچایا گویا اس نے پوری انسانوں کو زندگی بخشی۔

(سورۃ مائدہ آیت 32)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون، مال اور اس کی عزت حرام ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ)

اسی طرح تمام چھوٹے بڑے حقوق قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں مل جائیں گے، ہم نے یہاں نہایت اختصار سے کام لیا ہے اس لیے کہ ذیل میں ہم انسانی حقوق کا تصور تصوف کے حوالے سے تفصیل سے بیان کریں گے۔

انسانی حقوق کے بارے میں تو ہم کچھ نہ کچھ جانتے ہی ہیں کہ ایک انسان کے دوسرے انسان پر کچھ حقوق ہوا کرتے ہیں جو ضرور تاً ادا کرنے پڑتے ہیں، جیسے ماں باپ کے حقوق، بیٹا بیٹی کے حقوق، بھائی بہن کے حقوق، رشتہ دار اور خاندان کے حقوق، پڑوسی اور محلہ دار کے حقوق وغیرہ اور اگر بنیادی حقوق کو دیکھا جائے تو اس میں برابری اور آزادی کے حقوق، زندگی اور تحفظ کے حقوق، قانونِ مساوات کے حقوق، نجی زندگی کے حقوق، آزادانہ نقل و حرکت کے حقوق، شادی اور خاندان کے حقوق، جائداد کے حقوق، اظہار رائے کے حقوق، سماجی تحفظ کے حقوق، ثقافتی زندگی میں حصہ لینے کے حقوق، تعلیم کے حقوق وغیرہ۔ مگر آیئے تصوف اور اہلِ تصوف کے بارے میں

mob.8922906056 jahangirjalam2975@gmail.com

جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ،"خاص بندگانِ الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انھیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو"۔

(سورۃ فرقان:63)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،"جس نے اہلِ تصوف کی آواز سن کر ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا۔"(کشف المحجوب،ص117)

تصوف کے لغوی معنیٰ: تصوف عربی کا لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ یہ ہیں ، صوفیوں کا عقیدہ ، علمِ معرفت،دل سے خواہشوں کو دور کرکے خدا کی طرف دھیان لگانا ، تزکیۂ نفس کا طریقہ، پشمینہ پہننا ،وہ مسلک جس کے وسیلے سے صفائی قلب حاصل ہو، اشیاے عالم کو صفاتِ حق کا مظہر جاننا ،صوف پوشی، خواہشِ نفسانی سے پاک ہونا،علمِ روحانی۔

(فیروز الغات،آف لائن اردو لغت ایپ)

اصطلاحی معنیٰ: صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبل اوڑھتا ہے ، صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بروزِ قیامت صفِ اول میں کھڑے ہوں گے ، صوفی وہ ہے جو اصحابِ صفہ سے محبت کا رابطہ رکھے ،کسی نے کہا صوفی ایک اسم ہے جو صفا سے مشتق ہے یعنی جس کے اندر اور باہر صفائی ہے وہ صوفی کہلانے کا حق دار ہے۔(کشف المحجوب ص117)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے۔(ایضاً ص126)

حضرت ابو جعفر بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ، "تصوف ایک نیک خصلت ہے ، جو زیادہ نیک خصلت ہے وہ زیادہ صوفی ہے"۔(ایضاً ص129)

انسانی حقوق اہلِ تصوف کے حوالے سے:

صوفیاے کرام نے دینِ اسلام کے مختلف شعبوں میں اپنی نمایاں خدمات انجام دی ہیں مگر ان بزرگوں نے خدمتِ خلق اور اخلاقِ حسنہ کا جو درس دیا ہے وہ سب سے نمایا ہے انھی میں ایک انسانی حقوق کا تصور بھی ہے جو ان کے ملفوظات اور ان کے اقوال وارشادات میں جابجا ملتا ہے۔

مذکورہ بالا تعریفات سے اندازہ ہو گیا کہ صوفی وہ ہے جو نیک خصلت والا ہے ،اور جو نیک خصلت والا ہو گا وہ کسی بھی شخص یا فرد کا حق نہیں مارتا بلکہ تمام حقوق انسانی کو بخوبی انداز میں ادا کرتا ہے۔آئیں ذیل میں دیکھتے ہیں کہ انسانی حقوق کو اہلِ تصوف نے کس طرح ادا کیا ہے۔

ماں کے حقوق: داتا گنج بخش کشف المحجوب میں حضرت اویس قرنی رحمت اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار دو وجہوں سے نہیں کر سکے ،ایک مانع حضوری آپ کا غلبہ حال رہا اور دوسرا اپنی والدہ ماجدہ کے حقِ خدمت میں مصروف رہے۔اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ آپ نے ماں کے حقوق ادا کرنے میں اتنے مصروف رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے۔

بادشاہ پر رعایا کے حقوق: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جب امیر المومنین بنایا گیا تو آپ نے صوفیاے کرام سے مشورہ طلب کیا کہ مجھے اس منصب کی ذمہ داری دی گئی ہے اور میں اسے مصیبت جانتا ہوں، آپ حضرات کوئی حل نکالیں۔ان میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ آپ معمر لوگوں کو اپنا باپ،نوجوانوں کو بھائی اور بچوں کو بیٹوں کی طرح سمجھیں اور ان کے ساتھ معاملہ بھی ویسا ہی کریں یعنی ان کے حقوق ادا کریں۔

(کشف المحجوب،ص225)

مساوات و برابری کے حقوق: حضرت ابو علی شقیق کا واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ نے ایک غلام کی وجہ سے دنیا داری چھوڑ کر خدا کی عبادت و ریاضت میں لگ گئے ،اور آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک غلام کا شاگرد ہوں ،جو کچھ مجھے ملا اسی کی بدولت ملا۔(ایضاً 243)

عزت و پاس داری کے حقوق: حضرت معروف کرخی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ استطاعت ہو تو دینے میں کسی کی تمیز

نہ کرے اور جب کسی کا حال معلوم ہو تو اسے سوال کرنے سے پہلے کچھ بخش دے۔(ایضاً254)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاتم کی اولاد سے ایک لڑکا آیا تو آپ نے اس کے لیے چادر بچھادی، اور فرمایا تمھارے پاس کسی قوم کا معزز آئے تو اس کی عزت کرو۔(ایضاً504)

ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سہل صعلو علیہ الرحمہ کبھی کسی درویش کو ہاتھ میں صدقہ نہیں دیتے بلکہ زمین پر رکھ دیا کرتے آپ فرماتے کہ دینار کہ وہ قدر نہیں جو کسی مسلمان کے ہاتھ کی مجھے عزت ہے۔ یعنی آپ مانگنے والوں کو بھی عزت و آبرو کا حق دار سمجھتے تھے۔

مہمان کے حقوق: جود و سخا کے باب میں داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بغیر مہمان کے بغیر کھانا تناول نہیں فرماتے۔(ایضاً504)

غرباء و مساکین کے حقوق: بیان کرتے ہیں کہ ایک درویش کو ایک بادشاہ نے تین سو درہم بھیجا، اس درویش نے وہ درہم لیا اور ایک گاؤں میں چلا گیا اور تمام درہم گاؤں والوں میں تقسیم کر دی۔(ایضاً508)

صلح و سلامتی کے حقوق: شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الغیب میں نیکیوں کے تلقین میں بیان فرمایا ہے کہ لوگوں سے دشمنی کے بجائے دوستی شعار کرو، الفت سے کام لو، نفرت و کینہ سے بچو۔(فتوح الغیب ص7)

حلال معاش و روزگار کے حقوق: حضرت غوث پاک فرماتے ہیں تم نے رزق حلال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے، تم نے ان کے بتائے طریقے سے حلال روزی کیوں نہ لی کہ یہ تم پر فرض تھا۔(ایضاً32)

مساوات و برابری کے حقوق: فقرا اور امرا کے بیان میں شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں کہ خود کے لیے یہ نہ کہو کہ مجھے دنیا میں رہنے کے قابل نہیں کیا، مجھے گمنام کیا، کنبے اور برادری میں مقام نہیں بخشا اور دوسروں کو نعمتیں عطا کر کے اطمینانِ قلم کی دولت دی بلکہ ہم سب آدم و حوا کی اولاد ہیں۔(ایضاً50)

تعلیم و تعلم کے حقوق: اس کی ضمن میں آپ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی چوتھی قسم وہ ہے جن کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس نے علم حاصل کیا، اس پر عمل کیا، دوسروں کو اس کی تعلیم دی، اس کو عالم ملکوت میں عزت و عظمت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق: حضرت فرماتے ہیں: اے مومن میں تمھیں ہمسایے کے کھانے پینے، نکاح مکان، لباس اور خدا کی عطا کردہ ثروت اور غنا پر حسد کرتے ہوئے کیوں دیکھتا ہوں۔ یہ نعمتیں اسے اس لیے حاصل ہیں کہ خدا نے اس کی قسمت میں لکھ دی ہیں۔ تم محض جہالت کی وجہ سے حسد کر کے اپنے بھائی پر ظلم کر رہے ہو۔

بھائیوں کے حقوق: آپ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں اپنی بے چارگی کا خیال کرو اور اپنے بھائیوں کے حقوق کو اس خیال سے ضائع نہ کرو کہ تمھارے اور ان کے درمیان دوستی اور یگانت ہے۔(ایضاً143)

امرا و عوام الناس کے حقوق: آپ فرماتے ہیں جو تمھارے لیے حاکمِ برحق ہو، اس کی اطاعت کرو اور حاکم کا حق ادا کرتے ہوئے اس سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کرو جو اس پر واجب ہو اور بہر حال اس کے لیے دعا کرو، مزید فرماتے ہیں اور مسلمانوں کے بارے اچھا گمان رکھنا خیر خواہی کے جذبات سے کام لینا، اور ان کی بھلائی میں کوشاں رہنا تم پر واجب ہے۔(ایضاً144)

خدمتِ خلق: شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں لکھتے ہیں: خادم خدمت کی باعث بطالت اور کاہلی سے محفوظ رہتا ہے اور یہی بیکاری دل کی موت ہے یعنی خدمت بھی صوفیہ کے نزدیک نیک کاموں میں شامل ہے۔
(عوارف المعارف، ص263)

مساوات کے حقوق: قیدیوں کے ساتھ کھانے میں شرکت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ کے پیر ابو نجیب سہروردی ملک شام کے سفر پر تھے تو قیدیوں کو آپ نے اپنے دستر خوان پر بٹھایا اور ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔(ایضاً415)

ہمسایہ اور دوستوں کے حقوق: آپ فرماتے ہیں کہ خواہ وہ ہمسایہ ہو یا دوست یا اپنے اہل و عیال ہوں یا عام مخلوق تواضع سے پیش آنا صوفیہ کی اخلاقی خصوصیت ہے۔(ایضاً421)

لوگوں پر مال خرچ کرنا: آپ شیخ بایزید بسطامی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص سے سوال کیا کہ تیرے نزدیک زہد کیا ہے، اس نے کہا کہ "جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو ہم شکر کرتے ہیں اور کچھ مل جاتا ہے تو اس کو دوسروں پر خرچ کر دیتے ہیں۔(ایضاً423)

شاگردوں اور مریدوں کے حقوق: آپ فرماتے ہیں کہ آدابِ شیخ میں یہ بھی داخل ہے کہ شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ ہمدردی کرے اور صحت و مرض دونوں حالتوں میں ان کے حقوق ادا کرے۔

حقوق امن امان : حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم اس وقت کامل انسان بن سکتے ہو جب تمھارے دشمن تم سے امن میں رہیں اور اس وقت تک تم میں بہتری نہ ہوگی جب تک تمھارے دوست تم سے امن میں نہ ہوں۔(طبقات الصوفیہ، ص45)

حضرت حارث محاسبی فرماتے ہیں کہ تکلیفیں برداشت کرنا، کم ناراض ہونا، خوش دکھائی دینا اور ستھری گفتگو کرنا اچھی عادتوں میں شمار ہوتی ہیں(ایضاً55)

حضرت شقیق بن ابراہیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں : مجھے مہمان سے بڑھ کر کوئی چیز اچھی نہیں ہوتی کیوں کہ اس کی روزی اور ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے لیکن مجھے اس پر اجر و ثواب ملتا ہے۔(ایضاً60)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سخاوت کرنا یہ ہوتا ہے کہ تنگی کی حالت میں بھی انسان ضرورت کی چیزیں بھی دوسروں کو دیدے۔(ایضاً71)

حضرت فرید الحق رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے کچھ انسانی حقوق پر اچھے کلمات ذیل میں پیشِ خدمت ہیں۔آپ فرماتے ہیں : ہر شخص کی روٹی نہ کھاؤ، ہاں عالم لوگوں کو بغیر کسی تخصیص کے روٹی دو۔جب تک بن پڑے عورتوں کو گالیاں دینے کی عادت پیدا نہ کرو۔نیکی کرنے پر بہانے جوئی کی عادت ڈالو۔مہمان کے ساتھ تکلف کا برتاؤ نہ کرو۔دوست کو اخلاق سے اپنا گرویدہ بنالو۔اگر تم ذلیل و رسوا نہیں ہونا چاہتے تو کسی سے لڑائی نہ کرو۔(ایضاً143،144)

مذکورہ بالا سطور میں اہلِ تصوف کے حوالے سے انسانی حقوق کا تصور چند کتابوں کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے جو بخوفِ طوالت تھا، ورنہ اس موضوع پر لکھنے کے لیے بے شمار سطور بھی کم پڑ جائیں گے۔صوفیاءِ کرام کی مکمل زندگی خدا کی اطاعت میں گزری ہے مگر ساتھ ساتھ ان حضرات نے انسانی حقوق کو بھی بخوبی انداز میں ادا کیا ہے، اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیا ہے۔

آج ہمیں بھی ضرورت ہے کہ صوفیاے کرام کی تعلیمات کو عام کریں اور ان کے نقوش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔آج ہم نے صرف ان کی کرامات کو اپنی محفلوں میں ذکر کرنے پر بس کر دیا ہے حالانکہ ہمیں ان کی مکمل زندگی کے بارے میں جاننا چاہیے اور ان کی اصل تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اللہ پاک ہمیں صوفیاے کرام کی تعلیمات کو عام کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔

حوالہ جات:

1)قرآن۔ 2)فیروز اللغات۔

3)آف لائن اردو لغت ایپ.

4)کشف المحجوب، حضرت سید بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش، مترجم علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، ناشر، مکتبہ شمس و قمر، جامعہ حنفیہ غوثیہ، لاہور سالِ اشاعت، 2012ء

5)فتوح الغیب، سیدنا غوث اعظم عبد القادر جیلانی، مترجم، راجا رشید محمود ایم اے، ناشر، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور، سن اشاعت ندارد

6)عوارف المعارف ، حضرت شہاب الدین سہروردی، مترجم شمس بریلوی، ناشر، اسلامک بک ڈپو گنج بخش روڈ، لاہور، سن 1998ء

7)طبقات الصوفیہ، عبد الرحمٰن محمد بن حسین السلمی، مترجم شاہ محمد چشتی، ناشر ادارہ پیغام القرآن، لاہور، سن اشاعت 2011ء

8)سیر الاولیاء، سید محمد بن مبارک کرمانی "میر خورد"، مترجم غلام احمد بریاں ، ناشر مشتاق بک کارنر، اردو بازار، دہلی، سن ندارد۔ ☆

یادِ ماضی

دارُالحدیث الاشرفیہ

درسِ حدیث وقراءت کا تاریخ ساز ادارہ

----------از: مولانا نظام الدین مصباحی (یوکے)----------

یہ ناچیز دسمبر 2025 کے اخیر میں اردن اور شام کی زیارات کے لیے حبیب ٹراول کے ذمہ دار الحاج سلمان حفظہ اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ پہلے بھی قبل جنگ حاضری کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ دوران زیارات اس بار معلوم ہوا کہ یہیں پر "دار الحدیث الاشرفیہ" ہے جہاں بڑے بڑے اکابر محدثین درس حدیث دے چکے ہیں۔ الشیخ تابش حفظہ جو وہاں کئی سالوں سے زیر تعلیم ہیں، ان کی رہنمائی میں مسجد اموی کے قریب گلیوں سے گزرتے ہوئے وہاں حاضر ہوئے۔ جیسے اندر داخل ہوئے تو دروازہ کے قریبی اس کی مختصر تاریخ اور اسمائے محدثین جو یہاں مدرس تھے، لکھی دیکھی، پھر وہاں کے زیر تعلیم طلبہ سے ملاقات ہوئی اور ذمہ داروں کی اجازت سے وہاں اس احقر نے مسلم شریف کی ایک حدیث کا درس پیش کیا تاکہ ان محدثین کے غلاموں میں شمولیت ہو جائے۔ پھر دارالحدیث کے آفس میں گئے، وہاں کے ذمہ داران جو علم حدیث کے ماہر ہیں ان سے ملاقات ہوئی، ان کی نصیحتیں سنیں اور میں نے عرض کیا کہ یہ احقر جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فارغ ہے، تو انھوں نے نام کی وجہ تسمیہ پوچھی۔ میں نے کہا کہ ایک تو اس کو نسبت ہے قدوۃ الاولیاء غوث زمانہ حضرت مخدوم اشرف قدس سرہ سے اور دوسری نسبت آپ کے اس دارالحدیث الاشرفیہ سے، تو وہ بہت مسرور ہوئے۔ پھر انھوں نے اس دار کی تاریخ پر کتاب بھی دی اور جامعہ اشرفیہ کی زیارت کی خواہش کا اظہار بھی کیا، نیز میں نے عرض کیا کہ "ماہ نامہ اشرفیہ" میں اللہ عزوجل کے فضل سے اس کی تاریخ پر ضرور روشنی ڈالی جائے گی، چناں چہ سطور ذیل میں "دارالحدیث اشرفیہ" کا مختصر مگر جامع تعارف ملاحظہ ہو:

شام کی سرزمین، خصوصاً شہرِ دمشق، صدیوں تک علم و عرفان کی آماجگاہ رہا ہے۔ یہاں کی فضاؤں میں قرآن کی تلاوت اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں اس طرح گونجتی رہی ہیں جیسے بہار میں باغوں میں پرندوں کی نغمہ سرائی۔ یہاں کے عظیم الشان علمی مراکز میں ایک اہم مرکز "دارُالحدیث الاشرفیہ" ہے، جس نے نہ صرف دمشق بلکہ پورے عالمِ اسلام میں علمِ حدیث کی اشاعت و ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ ادارہ محض اینٹ اور پتھر کی عمارت نہیں بلکہ اخلاص، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت و عقیدت کا ایک جیتا جاگتا استعارہ ہے۔ اس کی بنیاد ایک ایسی روحانی نسبت پر رکھی گئی جس کا تعلق آثارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، اور اس کی مسندِ تدریس پر وہ اکابر فائز ہوئے جن کے نام علمی تاریخ میں زرّیں حروف سے لکھے گئے۔ یہاں روایت و درایت، زہد و عمل، اور قرآن و حدیث ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

دارُالحدیث الاشرفیہ کی داستان دراصل اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جب علم کو تقویٰ کا سہارا مل جائے اور ادارہ اخلاص کی بنیاد پر قائم ہو، تو زمانے کی آندھیاں بھی اس کی روشنی کو ماند نہیں کر سکتیں۔ سطورِ ذیل میں اسی درخشاں علمی ورثے کی جھلک پیش کرنے کی ایک سعیِ ناتمام ہے۔

اسلامی دنیا کے بیشتر خطوں میں مدارس کا جال بچھنے اور

+44 7828893562

تعلیمی مراکز کے قیام نے ایک عظیم علمی بیداری کو جنم دیا۔ خاص طور پر شہرِ دمشق کو مدارس کی تعمیر و تاسیس میں نمایاں مقام حاصل ہوا۔ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں مختلف النوع مدارس کی حیرت انگیز کثرت دکھائی دیتی ہے۔ یہ مدارس قرآن، حدیث اور فقہ (چاروں مذاہب کے مطابق) کی تعلیم کے مراکز تھے؛ طبّ کے مدرسے تھے، صوفیہ کے معاہد تھے، اور اس کے علاوہ بے شمار علمی ادارے اور مساجد بھی قائم تھیں۔

ان درخشاں اداروں میں ایک دارُالحدیث الاشرفیہ بھی تھا، جسے الملک الاشرف موسیٰ بن الملک العادل نے تعمیر کرایا تھا۔ اس ادارے کی مسندِ تدریس پر یکے بعد دیگرے وہ جلیل القدر محدثین فائز ہوئے جو اپنے زمانے کے مشاہیرِ علم تھے۔ انھوں نے یہاں حدیثِ نبوی اور اس کے علوم کو عام کیا اور ایسی کتابیں پڑھائیں جو آج بھی علماے حدیث کے لیے بنیادی مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس ادارے کی عظمت کا ایک سبب اس کی مضبوط اور منظم وقف کی بنیاد بھی تھی، نیز وہ شرائط جو اس کے بانی نے مقرر کی تھیں۔ ان میں سے ایک اہم شرط یہ تھی کہ اس کی تولیت ایسے شخص کے سپرد ہو جو دمشق میں سب سے زیادہ علمِ حدیث کے لیے اسفار کر چکا ہو۔ اگر روایت (حدیث کی نقل و روایت) اور درایت (فہم و تحقیق) کی صفات الگ الگ افراد میں پائی جائیں تو روایت میں ممتاز شخص کو ترجیح دی جائے۔

مزید یہ شرط بھی رکھی گئی تھی کہ جس شخص کے پاس روایتِ حدیث میں کوئی ایسی خصوصیت ہو جو دوسروں کے پاس نہ ہو، چاہے وہ دمشق کا باشندہ ہو یا کسی اور شہر کا، اسے یہاں مدعو کیا جائے تاکہ اس کے علم، اختصاص اور سند سے استفادہ کیا جا سکے۔ چناں چہ اس دارُالحدیث میں ایسے محدثین اور مدرسین جمع ہوئے جن کی نظیر دوسرے مدارسِ حدیث میں نہیں ملتی تھی۔

وہاں کے شیوخ اور مدرسین کے اسماے گرامی پر نظر ڈالیں تو دل فخر و مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے عہد کے پیشوایانِ علم اور اکابرِ اساتذہ تھے، محض اہالیان دمشق ہی نہیں بلکہ پوری دنیا (اور آج تک پوری دنیا) ان کے علم اور حدیث دانی کو تسلیم کرتی ہے۔

دارُالحدیث الاشرفیہ کے بانی اور واقف الملک الاشرف مظفر الدین ابوالفتح موسیٰ بن الملک العادل ابی بکر محمد بن ایوب تھے۔ آپ 576ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ شکلاً انتہائی وجیہ اور پروقار، بہترین اخلاق و عادات کے حامل، اور دیگر اوصاف میں ممتاز تھے۔ کہا جاتا تھا کہ ان کا کوئی علم کبھی شکست سے دوچار نہ ہوا۔ فقرا کے ساتھ غیر معمولی تواضع برتتے، خود ان کے پاس جاتے، ان کی دل جوئی کرتے اور عطیات سے نوازتے تھے۔ ذہانت، فہم و فراست اور سیاسی بصیرت میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے پہلے بیت المقدس پر حکومت قائم کی، پھر حرّان اور الرُّہا (اُرہہ) وغیرہ کو اپنے اقتدار میں شامل کیا اور بالآخر دمشق کے تخت پر متمکن ہوئے۔ دمشق میں آپ نے عدل و انصاف کو رواج دیا، جس کے نتیجے میں رعایا بھی آپ سے محبت کرتی تھی۔ آپ کی عمرانی خدمات بھی قابلِ ذکر ہیں۔ "خانُ العَقَبِیہ" (شہر دمشق کی ایک قدیم کارواں سرائے) کو منہدم کر کے اسے جامع مسجد میں تبدیل کیا، مسجد باب النصر، دارُالسعادہ، مسجدِ ابو الدرداء، جامع جراح، دارُالحدیث باسفح اور دارُالحدیث بالبلد وغیرہ تعمیرات انتہائی ذوق و شوق سے کروائیں۔

دارُالحدیث الاشرفیہ کی تعمیر کا پس منظر:

دارُالحدیث الاشرفیہ کی تعمیر ایک نہایت روح پرور واقعے سے وابستہ ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نعلِ شریف سے متعلق ہے۔ یہ نعلِ مبارک اُمّ المؤمنین میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، جو اُن اشیا میں سے تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے بعد چھوڑیں۔ پھر یہ نعلِ مقدس اُن کے ورثا میں منتقل ہوتی رہی، یہاں تک کہ بنو ابی الحدید کے پاس پہنچ گئی، اور وہ نسل در نسل اس امانت کو محفوظ رکھتے رہے۔ ان میں سے آخری شخص کے انتقال کے وقت اس نے تیس ہزار درہم اور وہ نعلِ شریف، نیز دو بیٹے چھوڑے۔ مرنے کے بعد دونوں بھائیوں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ایک نے دوسرے سے

کہا: ”تم مال لے لو گے یا نعلِ شریف۔“

یہاں سے اس واقعے کا وہ دل آویز مرحلہ شروع ہوتا ہے جس کے نتیجے میں اس نعلِ مقدس کی نسبت سے دارُالحدیث کی بنیاد پڑی۔ دونوں بھائیوں نے باہمی رضامندی سے فیصلہ کیا کہ ایک مال لے لے اور دوسرا نعلِ شریف اپنے پاس رکھے۔ چنانچہ مال ایک نے لے لیا اور نعلِ مقدس احمد بن عثمان بن ابی الحدید کے حصے میں آئی۔ وہ اس متبرک امانت کو لے کر سلاطین و امرا کے پاس جاتے، وہ اس سے تبرک حاصل کرتے اور ان کی آمد پر بطورِ انعام واکرام خطیر رقوم عطا کرتے۔

ایک مرتبہ وہ الملک الاشرف موسیٰ بن الملک العادل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے انھیں فراخ دلانہ عطاؤں سے نوازا، اس موقع پر ملک الاشرف نے کہا: ”میری خواہش ہے کہ اس اثرِ شریف (نعلِ مبارک) میں سے ایک چنے کے دانے کے برابر حصہ مجھے دے دو، تاکہ میں اسے اپنے کفن میں رکھ سکوں۔“

احمد بن ابی الحدید نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور بادشاہ نے انھیں تیس ہزار درہم عطا کیے۔ طے پایا کہ علما و مشائخ کی موجودگی میں اس متبرک اثر سے مقررہ مقدار کاٹ لی جائے، اور اس کے لیے ایک دن معین کر دیا گیا۔ احمد اس سعادت پر نہایت خوش تھے۔ لیکن رات کے وقت ملک الاشرف کا ارادہ بدل گیا۔ انھوں نے پیغام بھیج دیا کہ اب وہ اس کام سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ احمد بن ابی الحدید سخت متفکر ہوئے کہ کہیں دی ہوئی رقم واپس نہ لے لی جائے۔ صبح وہ حاضرِ دربار ہوئے اور سبب دریافت کیا۔ ملک الاشرف نے فرمایا: ”میں نے سوچا کہ اگر میں اس اثرِ شریف سے کچھ حصہ لے لوں تو دوسرے بادشاہ بھی میری پیروی کریں گے، اور یوں رفتہ رفتہ یہ اثرِ مبارک ناپید ہو جائے گا، اور میں اس کا سبب بنوں گا۔ اس لیے میں نے اللہ کے لیے اسے ترک کر دیا۔ البتہ جو مال میں نے تمھیں دیا ہے، وہ تمھارا ہے، میں اسے واپس نہیں لوں گا۔“

یہ سن کر احمد بے حد مسرور ہوئے اور خطیر رقم لے کر رخصت ہوئے۔ بعد ازاں ملک الاشرف نے انھیں مشہدِ خلیل (حران اور رقہ کے درمیان) میں مقرر کیا اور وظیفہ جاری کر دیا۔ وہ وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ وفات پائی۔ انتقال سے قبل انھوں نے نعلِ شریف ملک العادل کے سپرد کرنے کی وصیت کی، اور حسنِ نیت کے باعث وہ امانت انھی تک پہنچی۔

دارُالحدیث کی تعمیر: نعلِ مبارک کی تعظیم و حفاظت کے لیے ملک الاشرف نے قلعہ کے قریب ایک عظیم الشان دارُالحدیث تعمیر کروایا۔ یہ عمارت پہلے صارم الدین قایماز کی ملکیت تھی، جہاں ایک حمام بھی تھا۔ ملک الاشرف نے وہ سب خرید کر حمام منہدم کیا، شیخ المدرس کے لیے رہائش گاہ تعمیر کی، اور دو سال میں دارُالحدیث مکمل کرا دیا۔ اس کے پہلے شیخ کے طور پر انہوں نے عظیم محدث تقی الدین ابن الصلاح کو مقرر کیا، اور 628ھ تا 630ھ کے درمیان اس پر اوقاف قائم کیے۔

مسجد کے محراب کی مشرقی جانب نعلِ شریف کے لیے ایک مخصوص حجرہ بنایا گیا۔ اسے آبنوس کی صندوقچی میں رکھا گیا، جسے چاندی کے میخوں سے مضبوط کیا گیا تھا۔ اس پر چاندی کا قفل لگایا گیا، اور اوپر آبنوس کی تختی نصب کی گئی جس کے وسط میں اتنی جگہ خالی رکھی گئی کہ نعلِ مبارک کا حصہ نمایاں رہے۔ ظاہر حصے کے گرد بھی چاندی کی میخیں جڑی تھیں، اور اسے خوشبوؤں سے معطر رکھا جاتا تھا، یہاں تک کہ جو شخص اسے بوسہ دیتا اُس کے ہونٹ مشک و عنبر کی مہک سے معطر ہو جاتے۔ اگر کوئی شخص اس کی مثل تیار کرنا چاہتا تو کاغذ اس خالی حصے پر رکھ کر ناخن سے نشان بناتا، یوں نعلِ مبارک کی صورت اس پر نقش ہو جاتی۔

یہ واقعہ محض ایک تاریخی حکایت نہیں بلکہ اہلِ علم و سلاطین کی اس قلبی عقیدت کا آئینہ دار ہے جس میں تعظیمِ آثارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، علمِ حدیث کی خدمت، اور دینی شعائر کی حفاظت یکجا ہو گئی تھی۔

احوالِ ملک الاشرف اور دارُالحدیث الاشرفیہ کے واقعات: نعلِ شریف کی حفاظت کے لیے اس پر سبز، سرخ اور

زرد ریشمی غلاف چڑھائے گئے۔ اس کے لیے ایک عظیم دروازہ بنایا گیا جو پیتل سے مصفّح تھا اور سونے کی مانند چمکتا تھا۔ اس کی خدمت کے لیے ایک نگران مقرر کیا گیا جس کے لیے ہر ماہ چالیس درہم ناصری وظیفہ مقرر تھا، جو ہمارے درہموں کے اعتبار سے اسّی درہم کے برابر تھا۔

مؤرخ سبط ابن الجوزی بیان کرتے ہیں کہ ملک الاشرف ان کے دروس میں حرّان اور دمشق دونوں جگہ حاضر ہوتے تھے۔ وہ نہایت پاک دامن اور عفیف بادشاہ تھے۔ ایک بار انھوں نے فرمایا کہ "میں نے کبھی کسی کے حرم کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی۔" یہاں تک کہ اپنے محل میں بھی جن عورتوں کی طرف شرعاً نظر کرنا جائز نہ تھا، ان سے بھی اپنی نگاہ کی حفاظت کرتے تھے۔ جب مرضِ وفات لاحق ہوا تو توبہ و انابت کی، کثرت سے ذکر و استغفار کرنے لگے۔ وقتِ احتضار فرمایا: "میری امانت لاؤ!" چنانچہ ایک پشمینہ کپڑا لایا گیا جس پر مشائخ کے آثار کے پیوند تھے، اور ایک پرانا ازار۔ فرمایا: "یہ میرے ہاتھ کے پاس رکھ دو، میں اس سے آگ سے بچاؤ کی امید رکھتا ہوں۔ یہ مجھے ایک حبشی مردِ صالح نے دیا تھا جو ابدال میں سے تھا اور الرُّہا میں مقیم تھا۔"

آپ کا وصال 635ھ میں ہوا۔ آخری کلمات "لا إله إلا الله" تھے۔ آپ کو اپنے چچا صلاح الدین ایوبی کے قریب دفن کیا گیا۔ آج بھی آپ کی قبر باغِ کلاّسہ میں موجود ہے، مگر بہت سے لوگ اس سے ناواقف ہیں۔

دارُالحدیث پر گزرنے والے حوادث:

سنہ 637ھ: بعلبک اور حمص کے حاکم الصالح اسماعیل اور شیرکوہ لشکر کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئے اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس ہنگامے میں قلعہ کے نیچے واقع دارُالحدیث الاشرفیہ اور دیگر عمارتیں و دکانیں ویران ہوگئیں۔

سنہ 658ھ: مؤرخ ابو شامہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے اس سال دارُالحدیث کو دیکھا تو وہ صورتاً و معنًا ویران ہو چکا تھا، وقف خراب ہو چکا تھا اور درس و تدریس کم ہوگئی تھی۔ انھیں وہ زمانہ یاد آیا جب 630ھ کے عشرے میں وہیں قیام تھا اور اس وقت اس کے شیخ عظیم فقیہ و حافظ تقی الدین ابن الصلاح تھے۔

سنہ 699ھ — تاتاری یلغار: ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ تاتاریوں نے الصالحیہ، مسجد الاسدیہ، مسجد خاتون اور دارُ الحدیث الاشرفیہ کو لوٹا۔ جامع التوبہ بھی جل گیا۔ یہ سب کرج اور ارمن کے گروہ کے ساتھ مل کر ہوا۔ بے شمار لوگ قتل و اسیر ہوئے۔ لوگ رباط الحنابلہ کی طرف بھاگے، مگر تاتاریوں نے وہاں بھی حملہ کیا۔ شیخ الشیوخ محمود بن علی الشیبانی نے مدافعت کی کوشش کی، مگر دشمن اندر گھس آیا، مردوں کو قتل کیا، عورتوں کو اسیر کیا، کتب خانوں کو لوٹا، اور ناصری وضیائیہ رباط کی کتابیں بھی تباہ ہوئیں۔ یہاں تک کہ جامع اموی کے صحن میں منجنیقیں نصب کی گئیں تاکہ قلعہ پر گولہ باری کی جائے۔ قلعہ کے اطراف کی عمارتیں، بشمول دارُالحدیث الاشرفیہ، جلادی گئیں۔

فتنۂ تیمور: مؤرخ النعیمی لکھتے ہیں کہ نعلِ شریف دارُالحدیث میں محفوظ رہی، یہاں تک کہ تیمور کے فتنے کے زمانے میں تیمور نے اسے لے لیا۔ نعلِ مبارک کا بایاں جوڑا دارُالحدیث الاشرفیہ میں تھا اور دایاں جوڑا مدرسہ الدماغیہ میں۔ الاشرفیہ والی نعل زیادہ مشہور تھی۔ تیمور نے دونوں جوڑے لے لیے۔ فلا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم

تجدید و احیاء: بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے دار الحدیث کے لیے شیخ زین الدین عبد اللہ بن مروان الفارقی کو سبب بنایا، جو خطیب و مدرس تھے۔ انھوں نے اس فتنے کے بعد دارُالحدیث کو دوبارہ آباد کیا اور اس کی علمی رونق کو بحال کرنے کی کوشش کی۔

زوال، جدوجہد اور احیائے نو، دارُالحدیث الاشرفیہ کا آخری دور: صدیوں تک دارُالحدیث الاشرفیہ علم و حدیث کی شمع روشن رکھے رہی۔ ہر دور میں اس کی صدارت اکابر علما کے ہاتھ میں رہی۔ لیکن 1200ھ کے بعد اس کی حالت نہایت افسوسناک ہوگئی۔ مدرسین کی رہائش گاہوں پر غاصبانہ قبضے ہو گئے، اور عمارت کا بیشتر حصہ برباد ہو کر صرف زیریں

حجرات تک محدود رہ گیا۔ بالآخر یہ عمارت ایک عورت کی ملکیت میں چلی گئی۔

اسی زمانے میں ایک جلیل القدر عالم وادیب شیخ یوسف بدر الدین المعروف بالمغربی وہاں پہنچے۔ وہ اس دار سے اس کے تاب ناک ماضی کی وجہ سے قلبی وابستگی رکھتے تھے اور اس کے اکابر مدرسین کی یاد ان کے دل میں زندہ تھی۔ جب انھوں نے دارُالحدیث کو زوال کے دہانے پر دیکھا تو ان کی علمی حمیت جوش میں آئی۔ انھوں نے اسے غاصبانہ قبضے سے آزاد کرانے کی جدوجہد شروع کی۔

جب اس عورت کو اس کا علم ہوا تو اس نے عمارت ایک عیسائی شخص "یانکو" کے نام اجارہ پر دے دی، جو شراب فروخت کرتا تھا۔ اس نے دارُالحدیث کو مے خانہ بنادیا، یہاں تک کہ مسجد کے ایک حصے (جو گنبد کے نیچے تھا) کو توڑ کر اس میں دروازہ کھولا اور اسے شراب کے پیپوں کا گودام بنالیا۔

یہ منظر شیخ یوسف کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ انھوں نے حاکمِ وقت کے سامنے دعویٰ پیش کیا کہ یہ مکان وقف ہے اور مدرس کے حق میں مخصوص ہے۔ دلائل وبراہین سے اپنا دعویٰ ثابت کیا، اور عدالت نے ان کے حق میں فیصلہ بھی دے دیا۔ انھیں باضابطہ دستاویز بھی عطا ہوئی۔ مگر شدید فقر واحتیاج کے باعث وہ عمارت کو معاوضہ دیے بغیر واپس نہ لے سکے۔ کوئی صاحبِ خیر مدد کو نہ آیا۔ حالات کی سختی سے دل برداشتہ ہو کر دمشق چھوڑ دی اور قسم کھائی کہ یا تو اس دار کو مدرسہ میں شامل کرائیں گے یا پھر واپس نہ آئیں گے۔

قسطنطنیہ کا سفر اور نئی امید: شیخ یوسف قسطنطنیہ (استنبول) پہنچے اور وہاں کے شیخ الاسلام عارف حکمت بیگ سے ملاقات کی۔ اپنے فضل وعلم کے سبب ان کے مقرب بن گئے۔ انھوں نے ان سے مختلف فنون کی تکمیل کی اور اسی عرصے میں ایک سلطانی فرمان (براءتِ شریفہ) حاصل کیا جس کے تحت انھیں دارُالحدیث الاشرفیہ کی خطابت، تدریس، نظارت اور امامت سونپی گئی۔

اسی دوران تقدیر نے ایک اور اہم شخصیت کو دمشق میں لا کھڑا کیا، مجاہدِ اعظم عبد القادر الجزائري، انھوں نے دمشق کو اپنا وطن بنایا۔ شیخ یوسف اور ان کے درمیان خط وکتابت ہوئی۔ شیخ نے دارُالحدیث پر ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا:

"میں نے شام میں ایسی عظیم مصیبتیں جھیلی ہیں جو بت پرستوں کے درمیان بھی میرے جیسے شخص پر نہ آئیں، اور یہ بات خاص وعام میں مشہور ہے۔ دارُالحدیث ایک ایسی درس گاہ تھی جو تقویٰ پر قائم کی گئی، جہاں وہ نعلِ مبارک محفوظ تھی جسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک نے مس کیا تھا۔ یہ علماءِ عاملین اور ائمۂ دین کی آماجگاہ تھی۔"

شیخ نے اپنے اکابر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ • تقی الدین ابن الصلاح • أبو شامہ المقدسی • النووی • المزی • السبکی اور پھر شارح فتح الباری ابن حجر العسقلانی اس کے اولین شیوخ میں شامل تھے یہ وہ رجالِ علم حدیث ہیں جن کے نام سے ہی علمی تاریخ جگمگا اٹھتی ہے۔

غیرتِ ایمانی کی تجلی اور دارُالحدیث الاشرفیہ کا احیا

شیخ یوسف نے اپنے خط میں درد بھری صدا بلند کی:

"جب انبیاء ومرسلین کی سنت سے یہ بات ثابت اور مشہور ہے کہ صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کیا جائے، اور اس کے شواہد سے دفاتر بھرے پڑے ہیں، اور جب اس دار کی برکت کے حصول کے لیے اطرافِ عالم سے اکابر علما آتے رہے، تو کیا اس کے جوار میں فساق کی محفلِ شراب زیب دیتی ہے؟ بلکہ اس کے صحنِ درس اور وقف کی عمارت میں؟ !سبحانك هذا بهتان عظيم لوگ اسے ہلکا سمجھتے ہیں، حالاں کہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا جرم ہے!"

یہ الفاظ امیر عبد القادر الجزائری کے دل میں اتر گئے۔ انھوں نے خود جا کر صورتِ حال دیکھی۔ غیرتِ اسلامی جوش میں آئی۔ فوراً اس رومی (عیسائی) سے وہ عمارت خرید لی اور شرعی دستاویز کے تحت اسے شیخ یوسف اور ان کی اولاد کے نام وقف کر دیا، اور یہ شرط رکھی کہ اگر ان کی نسل منقطع ہو جائے تو اس کا نفع دوبارہ مدرسہ کو لوٹ آئے۔ یہ تاریخی اقدام 2 جمادی الاولیٰ

1272ھ کو عمل میں آیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دارُالحدیث کو نجاستِ خمر سے پاک کرنے اور اسے دوبارہ علمِ حدیث کا مرکز بنانے کی توفیق امیر عبدالقادر کے ہاتھوں عطا فرمائی، اور یہ ان کی عظیم ترین نیکیوں میں شمار ہوتی ہے۔

تدریسِ صحیح بخاری کا مبارک آغاز: امیر نے اپنے خرچ سے مسجد و مدرسہ کی مرمت کرائی۔ کام مکمل ہونے پر شیخ یوسف کو اطلاع دی۔ وہ مدینہ منورہ سے دمشق آئے، دار میں سکونت اختیار کی اور مدرسہ سنبھالا۔ یکم رجب 1274ھ کو امیر عبدالقادر نے بنفسِ نفیس صحیح البخاری کی تدریس کا آغاز کیا۔ دوپہر کے بعد سے عصر تک درس جاری رہتا۔ مجلس نور و برکت سے معمور ہوتی، علما اور ذہین طلبہ شریک ہوتے۔ اختتام رمضان المبارک میں ہوا، اور ختمِ بخاری کے موقع پر حاضرینِ مجلس کو اجازتِ حدیث عطا کی گئی، جن میں شیخ یوسف بدرالدین مغربی بھی شامل تھے۔

بعدازاں دارُالحدیث کی مسندِ مشیخت پر یہ اکابر فائز ہوئے:

احمد بہاء الدین بن یوسف المغربی

پھر ان کے بھائی، محدثِ اکبر بدر بدرالدین الحسنی

ان کے بعد یحییٰ المکتبی (1354ھ تا 1378ھ)

اور پھر فضیلۃ الشیخ محمود الرنکوسی

دوسرا سانحۂ حریق اور از سرِ نو تعمیر: شیخ محمود الرنکوسی بیان کرتے ہیں کہ 1330ھ (1912ء) میں، محدثِ اکبر بدر الدین الحسنی کے زمانے میں، دارُالحدیث میں دوسرا بڑا آتش زدگی کا سانحہ پیش آیا۔ نادر کتب خانہ اور بے شمار مخطوطات جل کر خاکستر ہو گئے۔ اس آگ نے دمشق کے چار محلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ 1371ھ (1952ء) میں شیخ محمود الرنکوسی نے انتہائی جدوجہد کے ساتھ دارُالحدیث کی از سرِ نو تعمیر کی۔ اہلِ ایمان اور اہلِ خیر نے ان کا ساتھ دیا۔ انھوں نے وہاں ایک منظم شرعی معہد قائم کیا، نصاب مرتب کیا اور تدریس کو باقاعدہ تنظیم کے ساتھ جاری کیا۔

مشیخت کا تسلسل اور علمی عظمت کی روایت:

شیخ محمود الرنکوسی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد دارُالحدیث الاشرفیہ کی مشیخت، انتظام اور تدریس کی ذمہ داری فضیلۃ الشیخ حسین صعبیہ کے سپرد ہوئی۔ وہ معہدِ فتح الاسلامی کے فاضل تھے، اور اٹھارہ برس تک اپنے استاذ شیخ محمود الرنکوسی کی صحبت و خدمت میں رہے۔ اسی تربیت کے فیض سے انھوں نے اپنے شیخ کے نقشِ قدم پر اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس علمی قافلے کو آگے بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں عوام و خواص کی محبت اور احترام سے نوازا اور وہ اپنے اسلاف کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔

دارُالحدیث کی علمی شان: دارُالحدیث الاشرفیہ کے مشائخ، علما اور طلبہ کی سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ ادارہ روایت، درایت اور تصنیف کے اعتبار سے عالمِ اسلام کے نامور محدثین کا مرکز رہا۔ یہاں علمِ حدیث کے ساتھ زہد، تقویٰ اور عمل کی روشنی بھی ساتھ ساتھ جلوہ گر تھی۔ اس کا ہر زاویہ، ہر حجرہ اور ہر گوشہ حلقاتِ علم سے آباد رہتا تھا۔ مجالسِ املا میں حدیث لکھی جاتی، کتبِ کبار اور اجزاے حدیثیہ کی قراءت ہوتی، سینکڑوں طلبہ، مرد، خواتین حتیٰ کہ بچے بھی شرکت کرتے اور اسی فضا میں سینکڑوں مستند کتابیں تصنیف ہوئیں۔

یہ کہنا بجا ہے کہ دمشق میں علمِ حدیث کا اوّلین مرکز یہی دارُالحدیث تھا۔ جسے صرف روایت مطلوب ہوتی، وہ یہاں آتا، جو درایت و تحقیق کا شوق رکھتا، اس کے شوق کی تکمیل بھی یہیں ہوتی، اور جو فقہ یا دیگر علوم کا طالب ہوتا، وہ بھی اسی چشمۂ علم و حکمت سے سیراب ہوتا۔

ترتیبِ شیوخِ دارُالحدیث الاشرفیہ (اجمالی ذکر):

دارُالحدیث کی مسندِ مشیخت پر صدیوں میں جن اکابر نے رونق بخشی، ان میں نمایاں نام یہ ہیں:

○ تقی الدین ابو عمرو بن الصلاح۔ (ولادت: 577ھ- وفات: 643ھ) ○ عماد الدین أبو الکریم ابن الحرستانی (ولادت: 577ھ-وفات: 662ھ) ○ شہاب الدین عبد الرحمٰن بن اسماعیل المقدسی ابو شامہ۔ (ولادت: 599ھ-وفات: 665ھ) ○ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ولادت: 631ھ-وفات: 676ھ) ○ ابو محمد عبداللہ بن مروان الفارقی (ولادت: 633ھ- وفات: 703ھ) ○ صدر الدین محمد بن عمر ابن الوکیل۔ (ولادت:

665ھ-وفات:716ھ) ○الکمال محمد بن علی الزملکانی (ولادت: 667ھ-وفات:727ھ) ○کمال الدین احمد الشریشی (ولادت: 653ھ-وفات:718ھ) ○جمال الدین یوسف المزّی (ولادت: 654ھ-وفات:742ھ) ○تقی الدین السبکی (ولادت: 683ھ-وفات:756ھ) ○تاج الدین عبد الوہاب السبکی (ولادت:729ھ-وفات:771ھ) ○سراج الدین البلقینی (ولادت:714ھ-وفات:805ھ) ○تاج الدین السبکی مرۃ ثانیہ○اسماعیل بن عمر بن کثیر (ولادت:701ھ-وفات:774ھ) ○عمر بن عثمان المعری (ولادت: 712ھ-وفات:783ھ) ○ابو البقاء محمد بن عبد البر السبکی (ولادت:707ھ-وفات: 777ھ) ○ابوذر عبد اللہ بن محمد بن عبد البر السبکی (ولادت: 735ھ-وفات:785ھ) ○ابراہیم بن عبد الرحیم بن جماعۃ (ولادت:725ھ) ○محمد بن عبد الرحیم المعری (ولادت: 751ھ-وفات:799ھ)○احمد بن عمر القرشی (وفات:793ھ) ○زین الدین عمر بن مسلم القرشی (ولادت:724ھ-وفات: 792ھ) ○محمد بن ابی بکر القیسی ابن ناصر الدین (ولادت: 777ھ-وفات:842ھ) ○شہاب الدین احمد بن اسماعیل الحسبانی (ولادت:749ھ-وفات:815ھ) ○علاء الدین علی بن عثمان الصیرفی (ولادت: 778ھ-وفات:844ھ) ○احمد بن علی ابن حجر العسقلانی (ولادت:733ھ-وفات:852ھ) ○قطب الدین محمد الخیضری (ولادت:821ھ-وفات:894ھ) ○محمد بن اسماعیل الونائی (ولادت:788ھ-وفات:849ھ) ○نجم الدین احمد بن محمد الخیضری (ولادت: 862ھ) ○عبد اللہ بن ابراہیم البعلی ابن الشرائحی (ولادت:748ھ-وفات:820ھ) ○حسین بن عبد اللہ السامری (وفات:831ھ) ○احمد بن محمد بن محمد العثمانی (ولادت:767ھ-وفات:840ھ) ○محمد التیمی (وفات: 945ھ) ○علی بن اسماعیل الشہیر ابن عماد الدین (ولادت:917ھ-وفات:971ھ) ○ابوالفتح محمد بن محمد الربعی المالکی (ولادت:901ھ-وفات:975ھ) ○شہاب الدین احمد بن احمد الطیبی المقری (ولادت:910ھ-وفات:979ھ) ○اسماعیل بن احمد النابلسی (ولادت:937ھ-وفات:993ھ) ○محمد الحجازی۔(ولادت:930ھ-وفات:1020ھ) ○عبد الحق بن محمد الحجازی (ولادت:962ھ-وفات:1020ھ) ○محمد بن محمد المیدانی۔(وفات:1033ھ) ○عبدالحی بن عبدالباقی الحجی (وفات: 1073ھ) ○عبد القادر بن مصطفیٰ الصفوری (ولادت: 1010ھ-وفات:1081ھ) ○عبد القادر بن بہادین المعروف بابن عبد الہادی العمری (وفات:1100ھ) ○محمد بن علی الکاملی الشافعی (وفات:1131ھ) ○سعید بن عبد القادر العمری (ولادت: 1080ھ-وفات:1147ھ) ○محمد بن علی العمادی (ولادت: 1095ھ- وفات:1167ھ)○یوسف المغربی الحسنی (وفات: 1279ھ) ○الامیر عبد القادر الجزائری (ولادت:1222ھ-وفات:1300ھ) ○عبد الحکیم بن محمد نور الافغانی (ولادت: 1250ھ-وفات:1326ھ) ○احمد بہاء الدین بن یوسف الحسنی (ولادت:1277ھ-وفات:1330ھ) ○المحدث الاکبر محمد بدر الدین بن یوسف الحسنی (ولادت:1267ھ-وفات: 1354ھ) ○محمود بن محمد رشید العطار (ولادت:1284ھ-وفات: 1362ھ) ○محمد یحییٰ بن احمد المکتبی (ولادت:1295ھ-وفات: 1375ھ) ○محمود بن قاسم الرنکوسی (ولادت:1327ھ-وفات: 1405ھ) ○حسین بن حسن صعیبہ۔(ولادت:1364ھ)

یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے اس ادارے کو صرف ایک عمارت نہیں رہنے دیا، بلکہ اسے علمِ حدیث کی زندہ روایت بنادیا۔

دار الحدیث الاشرفیہ کے شیوخ القراء۔

دارُالحدیث الاشرفیہ کے وقف کی شرائط میں ایک نہایت اہم شرط یہ تھی کہ وہاں مشیختِ قراء بھی قائم کی جائے۔ اس منصب پر ایسا شخص فائز ہو جو قراءاتِ سبعہ کا حافظ اور ان کا ماہر ہو۔ واقفِ "الملک الاشرف" نے یہ لازم قرار دیا تھا کہ: شیخُ القراء دس قراء کی نگرانی کرے، انھیں قراءاتِ سبعہ کی تعلیم اور روایت سکھائے۔ اگر امامِ مدرسہ خود اہل ہو تو وہی یہ منصب سنبھال سکتا ہے ورنہ کسی اور اہل شخص کو مقرر کیا جائے۔ وہ پانچوں نمازیں اور تراویح پڑھائے، بچوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم اور حفظ بھی کرائے۔

ان جامع شرائط کے باعث دارُالحدیث الاشرفیہ صرف حدیث ہی کا مرکز نہ رہا بلکہ قرآن اور علمِ قراءات کا بھی اہم قلعہ بن گیا۔ اس طرح یہ ادارہ حدیث و قرآن دونوں علوم کا جامع مظہر تھا اور ہے۔ اس منصب پر وقتاً فوقتاً دمشق کے ممتاز قراء فائز رہے، جنہوں نے قراءاتِ سبعہ کو سند و روایت کے ساتھ آگے منتقل کیا۔ اُنھی کی بدولت حلقاتِ قراءت ہر گوشے میں آباد رہتے، طلبہ سند کے ساتھ قراءات پڑھتے، اور حفظ و تجوید کی مضبوط روایت قائم رہی۔ دارُالحدیث میں حدیث کی مجالس کے ساتھ ساتھ تلاوتِ قرآن کی آوازیں بھی گونجتی تھیں، ایک جانب بخاری و مسلم کے دروس، اور دوسری جانب قراءاتِ سبعہ کی مشق۔ اسی جامعیت نے اسے دمشق میں علمِ قرآن و حدیث کا مرکزِ اوّل بنا دیا۔ وقتاً فوقتاً جن شیوخ نے اس مسند عظیمہ کو زینت بخشی ان میں چند اہم شیوخ کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

○ ابراہیم بن الفلاح الاسکندری (وفات:702ھ) ○ ابوبکر بن عمر المقصاتی (ولادت:631ھ–وفات:713ھ) ○ محمد بن نصیر المصری (ولادت:650ھ–وفات:718ھ) ○ محمد بن الرقی الاعرج (ولادت:667ھ–وفات:742ھ) ○ ابو بکر بن عبد اللہ الحریری البعلبکی (ولادت:693ھ–وفات:747ھ) ○ احمد بن عبد الرحمٰن المعروف بابن النقیب (وفات:764ھ) ○ محمد بن احمد اللبان (ولادت:715ھ–وفات:776ھ) ○ احمد بن ابراہیم الطبجی المعروف بابن الطحان (ولادت:702ھ–وفات: 782ھ) ○ احمد بن ربیعہ بن علوان۔ (ولادت:735–وفات: 803ھ) ○ شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری (ولادت:751ھ–وفات:833ھ) ○ خلیل اللدی ○ احمد الرملی (ولادت:852ھ–وفات:923ھ)

مندرجہ ذیل شیوخ نے بھی اس میں تدریس کی، اور جن کے ذریعے ایک وسیع علمی بیداری اور تحریک پیدا ہوئی۔

● فضیلۃ الشیخ محمد صالح الفرفور ● فضیلۃ الشیخ عبد الکریم الرفاعی ● فضیلۃ الشیخ حسن حبنکہ ● فضیلۃ الشیخ مکی الکتانی ● فضیلۃ الشیخ امین سوید ● فضیلۃ الشیخ بہجت البیطار ● فضیلۃ الشیخ احمد العربی ● فضیلۃ الشیخ طٰا الملکتبی ● فضیلۃ الشیخ عبد القادر القصاب ● فضیلۃ الشیخ علی الدکر ■■

(ص:16 کا بقیہ) میں ایسے کسی اہلِ علم کو نہیں جانتا جو غباوت کے اس درجہ پر پہنچ چکا ہو کہ حدیث ضعیف کا ضعف بیان کرنے کے باوجود اس کی روایت کو مطلقاً محال تصور کرتا ہو کیونکہ اس میں اجماع مسلمین کی مخالفت ہے اور واضح طور پر تمام محدثین کو گناہ کا مرتکب قرار دینا ہے۔ (ص508)

ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف متہم بالوضع یا کذاب دجال کا مرتبہ ہے۔ (صفحہ456)

متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہی ہے موضوع نہیں۔ (صفحہ457)

خیر جہالت راوی کا تو یہ حاصل تھا کہ شاگرد ایک یا عدالت مشکوک شخص تو معین تھا کہ فلاں ہے، مبہم میں تو اتنا بھی نہیں، جیسے حدثنی رجل (مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی) یا بعض اصحابنا (ایک رفیق نے خبر دی) پھر یہ بھی بتایا صرف مورث ضعف ہے نہ کہ موجب وضع۔ (صفحہ451)

(التعقبات علی الموضوعات) کے حوالے سے فرمایا: نہ صرف ضعیف بلکہ منکر بھی فضائل اعمال میں مقبول ہے۔ (صفحہ478)

جو (منقطع) کو قادح جانتے ہیں وہ بھی صرف مورث ضعف مانتے ہیں نہ کہ مستلزم موضوعیت۔ (صفحہ449)

جہالت و انقطاع اگر ہیں تو مورث ضعف نہ کہ مثبت وضع۔ (صفحہ472)

تصحیح و تضعیف صرف بنظر ظاہر ہیں واقع میں ممکن کہ ضعیف صحیح ہو و بالعکس (یعنی صحیح ضعیف ہو)۔ (صفحہ490)

حدیث کا کتبِ طبقہ رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائے ضعفِ شدید) وباللہ المستعین کسی حدیث کا کتب طبقہ رابعہ سے ہونا موضوعیت بالائے طاق، ضعفِ شدید درکنار مطلق ضعف کو بھی مستلزم نہیں اُن میں حسن، صحیح، صالح، ضعیف، باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں۔ (صفحہ538)

فضیلت و افضلیت میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ اسی باب سے ہے جس میں ضعاف بالاتفاق قابلِ قبول اور یہاں (افضلیت کے معاملے میں ضعیف) بالاجماع مردود و نامقبول۔ (صفحہ580)

فاحفظ تحفظ و تحظی من الرشد باوفی حظ -

(اسے یاد رکھوگے تو محفوظ رہوگے اور ہدایت سے بھرپور حصہ پاؤگے۔ ■■■

حفظان صحت

باورچی خانے سے شوگر کنٹرول تک
خون کی شوگر پر غذاؤں کا اثر

ڈاکٹر ام فرح۔ ایم. ڈی (ڈرمیٹولوجی)

خون کی شوگر، ہمارے جسم کے لیے توانائی کا بنیادی ذریعہ ہے، لیکن اس کا توازن برقرار رکھنا صحت مند زندگی کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اگر خون میں شوگر کی سطح طویل عرصے تک بلند رہے تو یہ انسانی جسم کے نازک اعضا جیسے آنکھوں، گردوں، دل اور اعصابی نظام کو شدید نقصان پہنچا سکتی ہے۔ دوسری جانب، شوگر کا بہت کم ہو جانا بھی خطرناک ہے کیوں کہ اس سے جسمانی کمزوری، چکر آنا اور بے ہوشی جیسی علامات پیدا ہو سکتی ہیں۔ ذیابیطس کے مریضوں کے لیے اصل چیلنج شوگر کو نہ بہت زیادہ ہونے دینا ہے اور نہ ہی بہت کم، بلکہ اسے ایک مستحکم حد میں رکھنا ہے۔ اس مقصد کے لیے ادویات کے ساتھ ساتھ سب سے اہم کردار ہماری روزمرہ کی غذا کا ہوتا ہے، کیوں کہ ہم جو کچھ کھاتے ہیں وہ براہِ راست ہمارے خون میں شکر کی مقدار پر اثرانداز ہوتا ہے۔

غذاؤں کا انتخاب کرتے وقت یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کچھ اشیا شوگر کو فوری طور پر بڑھا دیتی ہیں جب کہ کچھ آہستہ آہستہ خون میں شامل ہوتی ہیں۔ وہ غذائیں جو شوگر کو تیزی سے بڑھاتی ہیں، ان سے پرہیز یا ان کا بہت کم استعمال ضروری ہے۔ ان میں سفید چاول، میدے سے بنی اشیا جیسے نان، بھٹورا، سفید بریڈ اور بسکٹ شامل ہیں، کیوں کہ ان میں فائبر کی کمی ہوتی ہے اور یہ فوراً شکر میں بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح مٹھائیاں، جلیبی، چاکلیٹ، کولڈ ڈرنکس اور ڈبہ بند جوسز کے ساتھ ساتھ تلی ہوئی اشیا جیسے پکوڑے اور چپس بھی شوگر کو بے لگام کر دیتے ہیں۔ آم، کیلا اور انگور جیسے میٹھے پھل بھی اعتدال میں کھانے چاہئیں اور ان کا جوس نکالنے کے بجائے انھیں ثابت کھانا بہتر ہے۔

شوگر کو قابو میں رکھنے کے لیے ایسی غذاؤں کو ترجیح دینی چاہیے جو دیرپا توانائی فراہم کریں۔ اس میں ثابت اناج جیسے گندم کی روٹی، جوار، باجرہ، راگی اور اوٹس بہترین ہیں کیوں کہ یہ آہستہ ہضم ہوتے ہیں۔ سبزیوں میں لوکی، توری، کدو، پالک اور خاص طور پر کریلے کا استعمال شوگر اور ہاضمہ دونوں کے لیے اکسیر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پروٹین کی فراہمی کے لیے دالیں، چنا، انڈا، مچھلی یا چکن کا استعمال شوگر کو اچانک بڑھنے سے روکتا ہے۔ صحت مند چکنائی کے لیے سرسوں یا مونگ پھلی کا تیل اور چند بادام بھی خوراک کا حصہ بنائے جا سکتے ہیں۔

اپنی روزمرہ زندگی میں چند سادہ اصولوں کو اپنا کر شوگر کو آسانی سے مینیج کیا جا سکتا ہے۔ ہمیشہ وقت پر کھانا کھائیں، ناشتہ ہرگز نہ چھوڑیں اور کوشش کریں کہ آپ کی پلیٹ کا آدھا حصہ سبزیوں پر مشتمل ہو۔ خالی پیٹ میٹھا کھانے سے گریز کریں اور ہر کھانے کے بعد کم از کم 10 سے 15 منٹ کی چہل قدمی کو اپنی عادت بنائیں۔ ایک مثالی دن کا آغاز اناج کی روٹی یا اوٹس سے کیا جا سکتا ہے، جب کہ دوپہر میں دال، سبزی، دہی اور سلاد کا استعمال بہترین ہے۔ شام کے وقت بھنے ہوئے چنے یا بغیر شکر کی چائے لی جا سکتی ہے اور رات کا کھانا ہلکا رکھنا چاہیے۔ یاد رکھیں، شوگر کنٹرول کرنے کی بنیاد آپ کے باورچی خانے سے شروع ہوتی ہے؛ اگر آپ سبزیوں اور پروٹین کا استعمال بڑھا دیں

اور میٹھی و تلی ہوئی چیزوں سے دوری اختیار کریں، تو آپ ایک محفوظ اور متوازن زندگی گزار سکتے ہیں۔

جدید علمِ طب (Modern Medical Science) کے تناظر میں شوگر یا ذیابیطس کا انتظام صرف پرہیز تک محدود نہیں بلکہ یہ سمجھنے پر منحصر ہے کہ ہمارا جسم مختلف خوراکوں پر کیسا ردعمل دیتا ہے۔ طبی تحقیق بتاتی ہے کہ خون کی شوگر کو قابو میں رکھنے کے لیے "گلیسیمک انڈیکس" (Glycemic Index) اور "گلیسیمک لوڈ" کو سمجھنا سب سے اہم ہے۔ وہ اشیاء جن کا گلیسیمک انڈیکس زیادہ ہوتا ہے، جیسے سفید چینی یا میدہ، وہ خون میں گلوکوز کی سطح کو ایک دم بلند کر دیتی ہیں جس سے لبلبے (Pancreas) پر انسولین بنانے کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ جدید طب کے مطابق، اگر یہ عمل بار بار دہرایا جائے تو جسم کے خلیات انسولین کے خلاف مزاحمت (Insulin Resistance) پیدا کر لیتے ہیں، جو ذیابیطس ٹائپ 2 کی اصل جڑ ہے۔

جدید میڈیکل سائنس اب "کم کاربوہائیڈریٹ اور زیادہ فائبر" (Low Carb, High Fiber) والی غذا پر زور دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فائبر نہ صرف نظامِ ہاضمہ کو بہتر بناتا ہے بلکہ یہ گلوکوز کے جذب ہونے کی رفتار کو بھی سست کر دیتا ہے، جس سے خون میں شوگر کا گراف اچانک اوپر جانے کے بجائے ہموار رہتا ہے۔ اسی طرح، پروٹین اور صحت مند چکنائی (جیسے اومیگا-3 فیٹی ایسڈز جو مچھلی اور اخروٹ میں پائے جاتے ہیں) کا استعمال خون کی نالیوں کی سوزش کو کم کرتا ہے اور دل کی صحت کو تحفظ دیتا ہے، جو شوگر کے مریضوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہوتا ہے۔ جدید طب یہ بھی واضح کرتی ہے کہ تمام چکنائیاں بری نہیں ہوتیں؛ "ٹرانس فیٹس" (بیکری اور تلی ہوئی اشیا) نقصان دہ ہیں، جب کہ زیتون کا تیل یا دیسی گھی کی محدود مقدار فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے۔

طبی ماہرین اب "میل ٹائمنگ" (Meal Timing) اور "سرکاڈین ردھم" (Circadian Rhythm) پر بھی بہت تحقیق کر رہے ہیں۔ تحقیق کے مطابق، سورج ڈھلنے کے بعد میٹابولزم سست ہو جاتا ہے، اس لیے رات کا کھانا ہلکا اور جلدی کھانا خون کی شوگر کو مستحکم رکھنے میں مددگار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، جدید سائنس "مسل ماس" (Muscle Mass) کی اہمیت پر زور دیتی ہے؛ کیونکہ پٹھے گلوکوز کے سب سے بڑے صارف ہیں، اس لیے صرف خوراک ہی نہیں بلکہ ورزش بھی شوگر کو خلیات کے اندر جذب کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مختصراً یہ کہ جدید طب ہمیں ایک ایسے طرزِ زندگی کی طرف مائل کرتی ہے جہاں ہم صرف کیلوریز نہیں گنتے بلکہ ایسی خوراک کا انتخاب کرتے ہیں جو ہمارے ہارمونز اور میٹابولزم کے ساتھ ہم آہنگ ہو، تاکہ ہم طویل مدتی پیچیدگیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذیابیطس یا شوگر کا مرض اب محض ایک طبی تشخیص نہیں بلکہ طرزِ زندگی میں تبدیلی کا ایک تقاضا ہے۔ جدید طبی تحقیق اور روایتی غذائی حکمت، دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ خون میں شکر کی سطح کو متوازن رکھنا صرف ادویات کا کام نہیں، بلکہ یہ شعوری انتخاب اور نظم و ضبط کا نام ہے۔ ہمارے باورچی خانے میں موجود سادہ اشیا، جیسے سبزیاں، ثابت اناج اور پروٹین، اگر صحیح مقدار اور وقت پر استعمال کی جائیں تو وہ کسی بھی مہنگی دوا سے زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں۔ آج کی گئی چھوٹی سی غذائی تبدیلی جیسے سفید چینی سے کنارہ کشی، ریشے دار غذاؤں کا انتخاب اور روزانہ کی مختصر چہل قدمی آپ کو کل کی بڑی جسمانی پیچیدگیوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ یاد رکھیے، آپ کی صحت کا فیصلہ آپ کی پلیٹ سے شروع ہوتا ہے؛ لہٰذا شعور کے ساتھ کھائیں، متحرک رہیں اور ایک بھرپور تندرست و توانا زندگی کا لطف اٹھائیں۔

□□□

چراغ خانہ

مسلم خواتین کی کردار سازی

سلمٰی شاھین امجدی کردار فاطمی

مسلم خواتین کی کردار سازی اور عزت و عظمت کے لیے اسلام نے ازواج مطہرات کی زندگیوں کو بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ ان کی پاکیزہ سیرت اور طرزِ زندگی ہر دور کی عورت کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔

ازواج مطہرات کو اللہ رب العزت نے اس بلند مقام سے نوازا کہ انہیں رسول کریم ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔ انھوں نے اپنی زندگیوں کو اللہ رب العزت کی رضا کے لیے وقف کیا اور اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو مثالی معاشرت کا عملی نمونہ پیش کیا۔ ان کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا مظہر تھا۔ ازواج مطہرات نے اپنی پاکیزہ زندگی کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ اسلام عورت کو عزت، کردار اور عظمت عطا کرتا ہے۔

آج کی عورت کے لیے ازواج مطہرات کی سیرت نہ صرف مشعل راہ ہے بلکہ ان کی پیروی کرتے ہوئے وہ اپنے کردار کو مضبوط اور اپنی زندگی کو دین اسلام کے مطابق ڈھال سکتی ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا [الاحزاب:33]

مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنھوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔

یہ آیت ازواج مطہرات کے لیے خصوصی طور پر ہدایت کے ساتھ نازل ہوئی، لیکن فی زمانہ ہر عورت کے لیے اس میں رہنمائی موجود ہے۔ ازواج مطہرات کی زندگیوں میں وہ تمام اصول موجود ہیں جو آج کی عورت کے لیے کامیابی کا راستہ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عبادت گزاری میں بے مثال تھیں اور نوافل و اذکار کی کثرت کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اپنی حیاداری کے لیے مشہور تھیں، جو ہر مسلم خاتون کے لیے ایک نمونہ ہے۔ ان عظیم خواتین نے اسلام کے ہر رکن پر عمل کیا اور خواتین کو عفت و حیا کا لباس پہننے کی ترغیب دی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حیا ایمان کا حصہ ہے"۔ [صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان حدیث:24]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی صبر اور استقامت کی اعلیٰ مثال تھی۔ انھوں نے ہر آزمائش کے وقت اللہ پر مکمل بھروسہ کیا اور ہمیں یہ درس دیا کہ مومن کی سب سے بڑی طاقت صبر ہے۔ اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قربانیاں اور وفاداریاں آج کی عورت کے لیے استقامت اور ایثار کا پیغام ہیں۔ ان کا طرزِ عمل ہر بیوی کے لیے مشعل راہ ہے، کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ محبت، وفاداری، اور حکمت سے زندگی گزارے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی زندگی کو اس طرح گزارا کہ ان کی قربانیاں رہتی دنیا تک مثال رہیں گی۔ ازواج مطہرات نے نہ صرف اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے ادا کیا بلکہ دینی تعلیمات کو امت تک پہنچانے میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ ان کی زندگیوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مسلم خواتین کو اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے دین اسلام کی خدمت کرنی چاہیے اور دین کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا چاہیے۔

آج کی عورت کو ازواج مطہرات کی زندگیوں سے رہنمائی لینی چاہیے اور اپنی زندگی کو ان کے نقش قدم پر ڈھالنا چاہیے۔ دنیاوی رنگینیوں اور چمک دمک میں کھو جانے کے بجائے اسلامی اصولوں کو اپنانا ہی کامیابی کا راستہ ہے۔ عفت و حیا کو اپنا شعار بنائیں، علم دین حاصل کریں، اور صبر و استقامت سے اپنے کردار کو مضبوط کریں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں ازواج مطہرات کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ □□

تعزیت نامہ

پیر طریقت حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی کا وصال
علمی وروحانی دنیا کا ایک بڑا سانحہ

حضرت علامہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

افسوس و الم کے ساتھ یہ جانکاہ خبر موصول ہوئی کہ پیر طریقت حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی، جو حضور حافظِ ملت کے نہایت معتمد و ممتاز تلمیذ، جید عالمِ دین، باعمل شخصیت اور صاحبِ طرز مصنف تھے، اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُون۔

بلاشبہ ان کا وصال علمی و روحانی دنیا کا ایک بڑا سانحہ ہے، جس سے دل شکستہ اور آنکھیں نم ہیں۔

مرحوم کی حیاتِ طیبہ علم و عمل، زہد و تقویٰ اور خدمتِ دین سے عبارت تھی۔ انہوں نے ارشاد و تبلیغ کے میدان میں بیش بہا خدمات انجام دیں اور تصنیف و تالیف کے ذریعے اہلِ علم کو قیمتی علمی سرمایہ عطا کیا۔ ان کی تحریروں میں پختگی، اعتدال اور مسلکِ اہلِ سنت کی سچی ترجمانی نمایاں تھی۔ وہ اپنے اساتذہ خصوصاً حضور حافظِ ملت کی علمی و فکری وراثت کے امین اور سچے ترجمان تھے۔

ان کا وصال صرف ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک عہد، ایک علمی روایت اور ایک روشن چراغ کے بجھ جانے کا نام ہے۔ ان کی یادیں، علمی آثار اور تربیت یافتہ مریدین ہمیشہ ان کے لیے صدقۂ جاریہ رہیں گے۔

ہم مرحوم کے اہلِ خانہ، متعلقین، تلامذہ اور عقیدت مندوں کی خدمت میں نہایت رنج و غم کے ساتھ تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور انہیں اپنے مقرب بندوں میں جگہ عطا فرمائے۔ نیز تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم سے نوازے۔

عبد الحفیظ عفی عنہ
سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

صدائے دل

آہ! چشتی چمن کا مالی نہ رہا

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری، مہتمم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو

28فروری 2026ء/10 رمضان المبارک 1447ھ شنبہ (سنیچر) ساڑھے گیارہ بجے دن میں پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ رکن الدین اصدق مصباحی علیہ الرحمہ اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُون۔ دوسرے روز نماز جنازہ اور تدفین پکی تالاب شاہی جامع مسجد و مدرسہ مخدوم شرف کے قریب عمل میں آئی۔

حضرت مولانا ،دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم کے فارغین میں نمایاں اور ممتاز شخصیت کے مالک تھے اور استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ شاہ حافظ عبدالعزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ والرضوان کے ارشد تلامذہ میں تھے، آپ کے جانے اور پردہ فرمانے سے صرف چشتی چمن پیر بیگھہ ہی سونا نہیں ہوا مدرسہ مخدوم شرف بہار شریف بھی سونا ہو گیا، پاکباز اور روشن ضمیر علما کی صف میں بھی خلا پیدا ہو گیا، آپ کے جانے سے خطابت کی دنیا بھی بے رنگ ہوگئی، اور اسٹیج کی دنیا بھی سوگوار ہوگئی ہے، خطابت کا انداز بڑا نرالا تھا اسی لیے آپ کو خطیب الاسلام کے لقب سے بھی یاد کیا گیا۔

آپ کے جانے سے ایک اچھا مصنف و مترجم اور قلم کار چلا گیا، آپ ایک اچھے پیر طریقت بھی تھے اور مدبر و مدیر بھی تھے، کئی اخبارات و رسائل کے ذمہ دار ایڈیٹر رہے، ادارہ شرعیہ پٹنہ کے بھی سالوں مہتمم رہے اور اس کی تعمیر و ترقی میں بھی حصہ لیا، رئیس القلم قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بانی و سرپرست ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ کے معتمد خاص بھی تھے۔

ان ساری خوبیوں اور خصوصیات کے ساتھ آپ ایک اچھے قلمکار اور مصنف تھے، تقریبا ایک درجن کتابیں آپ کے قلم زر نگار کی مرہون منت ہے، چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

تاریخ ہجرت، آئینہ مخدوم جہاں، آئینہ حافظ ملت، ترجمہ مکتوبات اصدقی، سعودی عرب جانے والوں کے نام، خطرات کے بادل، بے نقاب چہرے، حیات اصدق وغیرہ

ترجمہ مکتوبات اصدقی اپ کی کتابوں میں بڑی اہم کتاب ہے جو 600 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور صوری و معنوی خوبیوں سے پُر ہے، شستہ، سنجیدہ، رواں اور زر نگار قلم کے آپ مالک تھے، آپ بڑے خوشخط بھی تھے۔

حضرت شاہ رکن الدین اصدق کے انتقال سے جماعت اہل سنت میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا، آپ کی رحلت سے میں بھی غم زدہ ہوں اور ان کے پسماندگان کے لیے تشفی کے کلمات پیش کرتے ہوئے شریک غم بھی ہوں۔

بڑی صاف ستھری زندگی تھی حضرت خطیب الاسلام کی حسن اخلاق کے پیکر تھے اور بڑی وجیہ شخصیت کے مالک تھے مولا کریم عزوجل ان کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ وصحبہ الصلاۃ والتسلیم۔

از

محمد عبدالمبین نعمانی قادری

المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور اعظم گڑھ

1-3-26

nomaniqadri@gmail.com

اعتراف غم

حضور حافظ ملت کا چہیتا نہ رہا

ڈاکٹر **یعقوب اختر فیضی**، سیکریٹری ادارۂ شرعیہ اورنگ آباد

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

یہ خبر بڑی وحشت ناک اور افسوس ناک ہے کہ عصر حاضر کے شیخ معقولات ومنقولات امین فقہ و فتویٰ، شہنشاہ تدریس، رئیس التحریر، مصنف کتب کثیرہ، حضور حافظ ملت کا چہیتا حضرت علامہ سید رکن الدین اصدق چشتی مصباحی سجادہ نشین "آسانہ چشتی چمن" بہار شریف اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی!

میں سچ کہوں! ایسا بھرپور عالمِ دین صدیوں کے بعد ہی ملا کرتا ہے۔ حضرت سید صاحب قبلہ کی ذات بھی اپنی مثال آپ تھی، آپ ایک بلند پایہ واعظ تھے، آپ کے مواعظ حسنہ آج بھی سامعین کے ذہنوں میں محفوظ ہیں، آپ رئیس التحریر تھے آپ کی تحریروں میں سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ دلائل و شواہد کے انبار ہوتے تھے۔ آپ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں، آپ رئیس المناظرین تھے آپ مناظروں میں ہمیشہ کامیاب و کامراں رہتے اور مقابل راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ زہد و تقویٰ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے، پابند شریعت و سنت تھے، استقامت علی السنۃ آپ کا طرۂ امتیاز تھی۔ آپ اپنے بزرگوں اور خانقاہی روایات کے امین اور ملک میں پھیلے ہوئے ہزارہا افراد کے مرجع عقیدت اور شیخ طریقت تھے۔ آپ شیخ طریقت کی حیثیت سے پورے ملک کے طول و عرض میں اپنے سلسلے کی اشاعت کی اور اس کے ذریعے رشد و ہدایت کا بہترین فریضہ انجام دیتے رہے، اتنے بلند پایہ اوصاف و امتیازات کے باوجود عجز و انکسار کے پیکر تھے، آپ سے ہماری برسوں سے شناسائی تھی، وقت ملاقات فرحت و انبساط کا اظہار فرماتے اور خوب خوب دعاؤں سے نوازتے۔ آپ صرف تعمیری فکر و مزاج ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ عملی دنیا میں بھی کام کی مشین نظر آتے تھے آپ بجلیوں کی زد پر آشیانوں پر آشیانہ بنانے کا حق بھی رکھتے تھے۔

تو تھا میرِ کارواں ہر اک مسافر کے لیے
اب کہاں جائے گا سارا کارواں تیرے بغیر

مدرسہ غریب نواز رانچی، مدرسہ عزیزیہ جہان آباد، مدرسہ اشرفیہ رفیع گنج، اورنگ آباد، مرکزی ادارۂ شرعیہ پٹنہ، مدرسہ اصدقیہ مخدوم اشرف بہار شریف، مدرسہ اصدقیہ شہودیہ پیر بگھہ، مدرسہ اصدقیہ مخدوم شعیب شیخ پورہ کے علاوہ متعدّد مدارس و مساجد اور درجنوں تنظیموں کے فروغ و ارتقا میں آپ کا خون جگر شامل ہے، جو آپ کی دینی ملی، جماعتی سرگرمیوں پر شاہد عدل ہیں۔

حضرت علامہ سید سیف الدین اصدق مصباحی ڈائرکٹر تحریک پیغام اسلام جمشید پور فرماتے ہیں:

"جہد مسلسل اور عمل پیہم حضرت کی زندگی کا خاصہ تھی، دین و سنت اور قوم و ملت کے فلاح و بہبود کے لیے آپ ایک دھڑکتا ہوا دل رکھتے تھے، ہدایت و راہنمائی کے باب میں جہاں آپ کی تحریر گلاب کی پنکھڑی تھی وہیں اصلاح معاشرہ میں آپ کا قلم نشتر کی حیثیت رکھتا تھا۔"

(بحوالہ خطرات کے بادل، ص:60)

معروف قلم کار، تنقید نگار، ادیب، شاعر اور صاحب خانقاہ ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق داناپوری لکھتے ہیں:

"مولانا رکن الدین معروف ایک صوفی منش، ولی نژاد، عالم دین اور مقبول و معروف مقرر شیریں بیان تھے۔ ایسا کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی شخص بیک وقت تحریر و تقریر دونوں پر یکساں قدرت رکھتا ہو، موصوف کو اللہ نے یہ کمال دیا تھا کہ وہ تاریخی واقعات سیر و مغازی کے صحیح اور مستند ماخذ کی روشنی میں دلچسپ و دل پزیر انداز میں لکھتے اور بیان فرماتے تھے۔"

(بحوالہ خطرات کے بادل، ص:70)

آپ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے چہیتے شاگرد تھے جیسا کہ رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی فرماتے ہیں:

"استاذ گرامی حضور حافظ ملت کے خصوصی اور محبوب تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔"

خود سید صاحب بھی اکثر اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نصیر ملت حضرت علامہ نصیر الدین صاحب مصباحی جو مجھ سے جونیر تھے کہنے لگے کہ سید صاحب! آپ چل کر حضور حافظ ملت کے پاس بیٹھیے، مجھے چھٹی لینی ہے۔ میں نے کہا: آپ چھٹی لیجیے، میں جاکر کیوں بیٹھوں؟ فرمانے لگے آپ حضرت کے پاس بیٹھتے ہیں تو حضرت کا موڈ بن جاتا ہے پھر مجھے چھٹی لینے میں آسانی ہوگی۔ فراغت کے بعد جس کسی کو بھی میں نے اپنے رقعہ کے ساتھ بھیجا کبھی وہ نامراد واپس نہیں کیا گیا۔

(آئینہ حافظ ملت، ص:62)

حضور حافظ ملت کا یہ فرمان عالی شان بھی ملاحظہ کیجیے اور سید صاحب قبلہ کی ذات کا موازنہ کیجیے:

"تقریر، تدریس، تحریر، ان تینوں میں اگر کسی ایک میں بھی کچھ صلاحیت پیدا کرلی تو دینی درس گاہ میں وقت گزارنے کا کچھ فائدہ حاصل ہوا اور اگر ان تینوں فن میں ناکارہ رہ گئے تو سارا وقت برباد کیا۔" (آئینہ حافظ ملت، ص:121)

یہ تو حضور حافظ ملت کے وہ قیمتی بول ہیں جو اکثر دورانِ درس فرمایا کرتے لیکن آپ سید صاحب قبلہ کی ذات کو بنظر غایر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ سید صاحب بیک وقت تینوں مورچوں کے مرد مجاہد تھے اور ہر ایک میدان میں اپنی الگ پہچان رکھتے تھے، خود فرماتے ہیں:

عطا فرمائی ہم کو سرخروئی بزمِ عالم میں
ہماری سربلندی کا نشاں ہیں حافظ ملت

الغرض سید صاحب قبلہ اہل سنت و جماعت کے ایک عظیم قائد اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے بے باک ترجمان تھے، آپ کی ذات علوم عقلیہ و نقلیہ کی حسین امتزاج تھی آپ کا علمی قد اتنا بلند تھا کہ بڑے بڑوں کو آپ کی قابلیت کا اعتراف ہے۔

بہر کیف سید صاحب قبلہ آج ہمارے درمیان نہیں رہے، ان کے جانے سے پیروی دنیاے سنیت سوگوار ہوگئی۔

یہ کون اٹھ گیا ہے کہ دوشیزۂ بہار
فرط الم میں پھینک کے زیور اُداس ہے

مدرسہ مخدوم شرف کے سامنے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ درجنوں علما و مشائخ کی موجودگی میں ہزاروں کی تعداد میں مریدین، متوسلین، معتدین، مخلصین معززین کے علاوہ کثیر تعداد میں شہرِ بہار شریف کے مسلمانوں نے شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ ان کی دینی ملی خدمات کو شرفِ قبول بیت بخشے اور ان کے درجات کو بلند سے بلند فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے۔

متاعِ زندگی جس نے لٹا دی جانِ رحمت پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں اس کی تربت پر

☆☆☆

تلمیذ عزیز

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے احب وارشد تلمیذ

علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی علیہ الرحمہ

مولانا **فتح احمد عیش بستوی مصباحی**، حافظ ملت اسلامک اسمبلی، ڈربن، ساؤتھ افریقہ

جلالۃ العلم، استاذ العلما، عزیز الاولیا، ابوالفیض، حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری علیہ الرحمہ والرضوان کے "عرس چہلم" کے بعد ستمبر 1976ء میں مبارک پور پہنچا، مجھے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے شرف لقا و تلمذ حاصل نہ ہوسکا، البتہ روحانی لگاؤ اور شرف تیقن ضرور حاصل ہے۔

چوں کہ دیوبندی مدرسہ میں میری دستار بندی ہوچکی تھی اور یوپی کے شہر فیض آباد کے محلہ گھسیانہ کی مسجد میں اپنی پہلی اور مکمل اکیلے تراویح سنا چکا تھا، لیکن دل مطمئن نہ تھا اور یہی خواہش تھی کہ کسی "سنی" ادارہ سے مجھے سند و دستار حفظ مل جائے، اس لیے میں نے الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں دورہ حفظ اور درجہ اعدادیہ میں داخلہ لیا اور جمیل الحفاظ حضرت حافظ جمیل احمد عزیزی مدظلہ العالی کو حفظ کا دور سنایا اور پہلے عرس حافظ ملت 1977ء میں مجھے "سنی سند و دستار حفظ" سے سرفراز کیا گیا، دوران کلاس بہت سارے دوست مثلاً قاری محمد عظیم وارثی، حافظ شکیل اختر کلکتوی، حافظ احترام عالم عزیزی، اور حافظ سنجر اصدق گیاوی وغیرہ سے دوستی ہوگئی، اس طرح لفظ "اصدق" سے پہلی دفعہ متعارف ہوا، پھر 22 فروری 1985 میں نویں عرس حافظ ملت کے حسین موقع پر دستار فضیلت سے نوازا گیا، اسی زمانہ میں ایک پر بہار اور خوشگوار شخصیت، دراز قد، لمبا جبہ، کبھی کبھار عمامہ، دمکتا چہرہ، بڑی تمکنت اور عالمانہ وقار کے ساتھ وہاں آتی رہی، جن سے ملاقات اور کبھی صرف زیارت کا شرف ہمیں حاصل ہوتا رہا، بعد میں پتہ چلا کہ یہ ہیں "حضرت علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی چشتی" جو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے احب وارشد تلمیذ، اور ہمارے اکابر میں سے ہیں۔

آپ کا نام، سید رکن الدین اصدق۔ عرفیت و تخلص، حیدر القاب، خطیب الاسلام، رئیس التحریر، وغیرہ۔ آپ کی ولادت 1943ء مقام چشتی نگر، پیر بیگھ شریف، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام، حضرت مولانا سید بشیر الدین اصدق علیہ الرحمہ ہے۔

آپ کے صغر سنی کی تعلیم و تربیت تو ماں باپ اور گھر کے بزرگوں سے ہوئی، اس کے بعد مولوی شاہ محمد طیب علیہ الرحمہ سے پڑھ کر 1956ء میں مدرسہ انوار العلوم، گیا، بہار، میں مولانا شاہ منظور احمد اصدقی علیہ الرحمہ کے زیر درس فارسی اور عربی متوسطات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد 1961ء میں دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور میں داخلہ لے کر اجلہ علماے کرام خصوصا "حافظ جی" علامہ مولانا حافظ عبد الرؤوف مصباحی علیہ الرحمہ، اور اخص الخاص حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ، سے فضیلت تک کی تعلیم حاصل کی، اور وہیں سے 1966ء مطابق ۱۳۸۶ھ میں سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

حضور حافظ ملت سے اپنی قربت محبت کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ: "میں نے چھ سالوں تک آپ کی زندگی کو دیکھا، جانا، اور بہت قریب سے پرکھا ہے، حافظ ملت سے میں نے صرف پڑھا ہی نہیں ہے، شرف تلمذ کے دوران ان کی زندگی سے بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ پایا بھی ہے، میری خاندانی وجاہت کے باعث یا آپ کی دور بینی کی بدولت جو نوازش آپ کی مجھ پر رہی وہ کم لوگوں کو نصیب ہوسکی

+27 827861143

ہے۔" (آئینہ حافظ ملت حصہ اول 64)

دوران تعلیم اور بعد فراغت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نصیر ملت حضرت مولانا نصیر الدین مصباحی ابھی موجود ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں تادیر سلامت رکھے، یہ مجھ سے جونیئر تھے، ایک بار کہنے لگے، سید صاحب! آپ چل کر حافظ ملت کے پاس بیٹھئے، مجھے چھٹی لینی ہے۔ میں نے کہا، آپ چھٹی لیجیے، میں جاکر کیوں بیٹھوں؟ فرمانے لگے، آپ حضرت کے پاس بیٹھتے ہیں تو حضرت کا موڈ بن جاتا ہے، پھر مجھے چھٹی لینے میں آسانی ہوگی۔"

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

"فراغت کے بعد جس کسی کو بھی میں نے اپنے رقعہ کے ساتھ بھیج دیا کبھی وہ نامراد واپس نہیں کیا گیا، یہ سب حافظ ملت کا کرم تھا ورنہ میری کیا حیثیت تھی۔" (ایضاً، ص؛62)

1964ء میں والد گرامی حضرت محبوب الاولیاء سید شاہ بشیر الدین اصدقی علیہ الرحمہ کے ہی دست حق پرست پر بیعت کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز کیے گئے۔

فراغت کے بعد 2 سال تک، مدرسہ عزیزیہ، ضلع گیا، میں رہے۔ اس کے بعد 1969ء سے مدرسہ اشرفیہ رفیع گنج، گیا، بہار، میں علمی جولانیاں دکھائیں۔ اس کے بعد 1974ء سے 1983ء تک ادارہ شرعیہ بہار کو اپنے عہد زریں سے نوازا۔

جنوری 1984ء میں مدرسہ اصدقیہ بہار شریف کی داغ بیل ڈالی، جو آج اپنی ذاتی زمین پر شان دار عمارت کے ساتھ کھڑا ہے اور دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ کئی اداروں کی سرپرستی اور اچھی رہنمائی بھی فرماتے رہے۔ درجن بھر سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ پندرہ روزہ "رفاقت" آپ کی ادارت میں ہی نکلتا تھا۔ اور "جام شہود" کے آپ چیف ایڈیٹر بھی رہے، جو لوگوں کے مشام جاں کو معطر کرتا رہا۔

ایسے رہبر شریعت، پیر طریقت، واقف فنون و حکمت، ناشر دین و سنیت، تلمیذ رشید حافظ ملت، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حکیم و طبیب، ماہر تحریر و تقریر، زینت مسند تدریس، منتظم تحریک و تنظیم، قامت حسن و وجاہت، حجت ملک فصاحت، خطیب الاسلام، رئیس التحریر، مجمع البرکات، اور سید السادات، کے رحلت فرما جانے کے بعد اہل سنت و جماعت میں ایک خلا پیدا ہو گیا، پوری سنی عوام، خاص طور سے خاندان اصدقیہ، و فرزندان جامعہ اشرفیہ مبارک پور، میں حزن و ملال کا ماحول ہے۔

مولی تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی دینی، ملی، ملکی خدمات کو فرما کر، آپ کے درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے، اور لوگوں کے لیے آپ کا مزار پر انوار باعث تسکین و تطہیر ہو۔ آمین بجاہ النبی الامین۔ فقط ☆☆☆

==========

(ص:56 کا بقیہ)

مگر چونکہ مضمون میں اختصار مقصود ہے تفصیلات کو اسی لیے نظر انداز کیا جارہا ہے

جس طرح انفرادی صفائی ہر انسان کی ذمہ داری ہے یوں ہی اجتماعی صفائی کا اہتمام بھی معاشرے میں سب کی ذمہ داری ہے۔ انسان خود صاف ستھرا ہو اور گھر، گلی اور کوچہ گندا رکھے تو وہ جسم سے جنم لینے والی بیماریوں سے تو محفوظ رہ سکتا ہے مگر آس پاس سے پیدا ہونے والا وائرس اس کے لیے خطرۂ جان بن سکتا ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گھروں، صحنوں، دروازوں اور محلوں کی صفائی کا بھی خاص اہتمام کریں گھروں میں جھاڑو لگائیں، سامان کو ترتیب سے رکھیں، کوڑے کچڑے کے لیے الگ ظرف رکھیں ادھر اُدھر پھینکنے سے گریز کریں۔ محلے کی صفائی کے لیے ایک مستقل تنظیم ہونی چاہیے اور اس کے ذمہ روڈ کی صفائی، نالی کی صفائی، کوڑے دان رکھنا اور ہر دن اس کی صفائی کروانا، راستوں کی مرمت اور ٹوٹی نالی کی مرمت وغیرہ یہ سارے کام ہونے چاہئیں۔

حاصل کلام یہ کہ جسم، گھر اور محلے سب کی صفائی ہماری انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔ صفائی ستھرائی نہ صرف جسمانی صحت کا ذریعہ ہے بلکہ ہماری تہذیب، اخلاق اور ایمان کا بھی حصہ ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم صفائی کو عادت اور اپنا مستقل طرز زندگی بنائیں۔ از: **محمد ابراہیم قادری مصباحی۔**

جمشید پور، جھارکھنڈ متعلم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور

یاد اصدق

خانوادۂ اصدقیہ، نالندہ کا علمی و روحانی جانشین

آفتاب رشک مصباحی، شعبۂ فارسی، بہار یونیورسٹی، مظفر پور

2009 کی بات ہے۔ راقم کے آبائی گاؤں داراپٹی، مظفر پور، بہار میں جناب الیاس چچا کے گھر میلاد شریف کی مجلس تھی جس کے مہمان خصوصی پیر طریقت حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق چشتی تھے۔ بزرگوں سے ملاقات اور ان کی صحبت میں چند لمحے ہی سہی، بیٹھنے کا شوق بچپن سے تھا چناں چہ ان کی زیارت اور اکتساب فیض کی نیت سے میں بھی شریک محفل ہو گیا۔ حضرت نے نہ صرف اپنی محبتوں سے نوازا، بلکہ خصوصی التفات کا معاملہ فرمایا۔ اپنے ساتھ اپنے پہلو میں دستر خوان پر جگہ دی اور بڑی شفقتوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے خوب کھلایا۔ اس دن عشا کی نماز بھی میں نے حضرت ہی کی اقتدا میں ادا کی۔ دیر رات جب اجازت لے کر اپنے گھر جانے لگا تو حضرت نے فرمایا، بلکہ حکم دیا کہ کل آپ کو میرے ساتھ مفتی رفاقت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چلنا ہے۔ صبح 9 بجے تک تیار ہو کر آجائیے گا۔ میں نے بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے حامی بھر دی۔ صبح وقت مقررہ پر تیار ہو کر پہنچا تو حضرت کو بھی تیار پایا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم لوگ بھوانی پور، سون برسا، مظفر پور کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں حضرت سے بہت سی باتوں پر گفتگو ہوتی رہی جس میں حضرت گویا رہتے اور میں سراپا سماعت بنا رہتا۔ اس وقت میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ میں زیر تعلیم تھا اور اگلے سال یعنی 2010ء میں میری فراغت ہونے والی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں میں نے اپنی فراغت میں شرکت کی دعوت دے دی جسے انھوں نے نہ صرف قبول کیا، بلکہ اگلے سال میری دستار بندی میں اپنے صاحب زادگان مولانا سید سیف الدین اصدق اور مولانا سید نور الدین اصدق وغیرہم کے ساتھ شریک بھی ہوئے اور خصوصی دعاؤں سے بھی نوازا۔

جس وقت ہم لوگ بھوانی پور حضور امین شریعت مفتی رفاقت حسین چشتی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پہنچے تو صاحب سجادہ مولانا محمود احمد رفاقتی نے ہم سب کا استقبال کیا۔ ہم نے انھی کے ساتھ مزار حضور امین شریعت پر فاتحہ خوانی کی۔ ظہر کی نماز سے فراغت کے بعد شان دار ظہرانہ سے ہماری مہمان نوازی کی گئی۔ ہم لوگ جتنی دیر رہے ان دونوں بزرگوں میں دوستانہ اور غیر تکلفانہ ماحول میں گفت و شنید ہوتی رہی جس سے میں بھی خوب لطف اندوز ہوتا رہا۔ علامہ ارشد القادری رحمہ اللہ کی مقبولیت کے حوالے سے مولانا رفاقتی نے ایک بات کہی کہ مولانا تمام تر علمی کمالات کے باوجود جب کسی اللہ والے کے پاس جاتے تو سراپا نیاز، بلکہ مکمل خاک بن جاتے۔ ان کی اسی صفت نے انھیں سب کے یہاں یکساں مقبولیت بخشی۔ مولانا رفاقتی کی اس بات کی مولانا سید رکن الدین اصدق چشتی نے تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: یہ ان کا اعلیٰ درجے کا وصف تھا جو کسی کسی ہی کے حصے میں آتا ہے۔ اسی دوران مولانا رفاقتی نے سماع کے حوالے سے سوال کیا: کیا آپ سماع بالمزامیر سنتے ہیں یا مولویوں کے بیچ رہ کر اس سے پرہیز کرنے لگے ہیں؟ میں تو سماع بہت شوق سے سنتا ہوں۔ جواباً حضرت رکن دین نے فرمایا: ہاں! میں بھی سنا کرتا ہوں۔ کچھ دیر کے بعد مولانا رفاقتی میری جانب متوجہ ہوئے۔ تعارف کے بعد فرمایا: ماشاء اللہ، آئندہ سال آپ فارغ ہونے والے ہیں، محنت سے پڑھیے اور خوب پڑھیے۔ اس فراغت کو تعلیم سے فراغت مت سمجھیے گا، بلکہ آپ کی اصل تعلیم کا آغاز تو اب ہوگا۔ علم کے ساتھ عمل اور تواضع ضروری ہے۔ اتنا قریب ہو کر آج پہلی بار آپ یہاں آئے ہیں۔ بزرگوں کے آستانوں پر جایا کیجیے، کیوں کہ بہت سی ظاہری اور باطنی

aftabrashk@gmail.com

گتھیاں بزرگوں کے فیض سے بھی کھلتی ہیں۔ آپ کی سعادت مندی کی یہ بھی دلیل ہے کہ آپ حضرت سید صاحب قبلہ کے ساتھ ہیں، ورنہ نئے علما تو ہم بوریہ نشینوں سے الگ رہنے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ اللہ آپ کا اقبال بلند کرے اور آپ سے بڑا کام لے۔ رات تک ہم لوگ داراپٹی واپس ہوئے۔ آئندہ روز حضرت بھی سفر پر روانہ ہوگئے اور میں بھی اشرفیہ کے لیے نکل گیا۔ یہ حضرت سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد دستار بندی میں اشرفیہ میں اور پھر ایک یا دو بار داراپٹی ہی میں ملاقات رہی۔

مولانا سید رکن الدین اصدق چشتی کی ولادت چشتی چمن پیر بیگہ شریف نالندہ میں 1943ء میں ہوئی۔ والد بزرگوار حضرت مولانا سید بشیر الدین اصدق چشتی کی زیر تربیت پروان چڑھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی شاہ سید طیب مجیبی رحمہ اللہ سے پائی۔ آگے کی تعلیم کے لیے مدرسہ انوار العلوم گیا کا رخ کیا اور 5-4 سال وہاں رہ کر متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ اشرفیہ، مبارک پور تشریف لے گئے اور حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ کے ساتھ اس وقت کے موجود اساتذہ سے اکتساب علم و فیض کیا اور 1966ء میں دستار فراغت سے نوازے گئے۔ مولانا جہاں بھی رہے اپنے اساتذہ کے نہایت عزیز رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کا ذکر بھی بڑے خلوص اور محبت سے کیا کرتے تھے۔ خصوصًا حضور حافظ ملت اور مولانا ظفر ادیبی کا والہانہ تذکرہ کرتے۔ اپنے خاندانی بزرگوں کے علاوہ سب سے زیادہ آپ حضور حافظ ملت رحمہ اللہ کی تعلیم و تربیت سے متاثر تھے۔ فراغت کے بعد مدرسہ عزیزیہ پنجر انواں، جہان آباد میں تدریسی ذمہ داری ادا کی۔ پھر سرکاری مدرسہ، مدرسہ شرفیہ، رفیع گنج اور نگ آباد میں مدرس دوم کے عہدے پر بحال ہو کر اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے بعد علامہ ارشد القادری رحمہ اللہ کے اصرار اور حضور حافظ ملت کے حکم پر سرکاری نوکری چھوڑ کر 1974ء میں ادارہ شرعیہ، پٹنہ کا منصب اہتمام سنبھالا اور 9 سال تک نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اس ادارے کو پروان چڑھانے میں مکمل ذمہ داری کے ساتھ کوشاں رہے۔ 1987ء میں بہار شریف میں "مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور تا دم حیات اسی کی آبیاری کرتے رہے۔ ادارہ شرعیہ کے دور اہتمام میں وہاں سے پندرہ روزہ "رفاقت" کی ادارت سنبھالی اور اس کے بعد گزشتہ 31-32 سالوں سے سہ ماہی "جام شہود" کی علمی، فکری اور اشاعتی نگرانی فرما رہے تھے۔ دعوتی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات کے علاوہ ایک درجن سے زائد علمی اور تحقیقی کتابیں آپ کی شاہ کار ہیں جو ہر دور میں امت کی رہ نمائی کرتی رہیں گی، جن میں خصوصیت کے ساتھ تحائف اصدقی، بے نقاب چہرے، خطرات کے بادل، حیات اصدق، تجلیات بشیری، بارہ روشن کرامتیں، درس رسول، تاریخ ہجرت، خواجۂ دوعالم، آئینہ مخدوم جہاں، آئینۂ حافظ ملت، مکتوبات اصدقی قابل ذکر ہیں۔ مولانا چشتی کی تحریروں میں مجھ کم خواندہ کو مفسر قرآن پیر کرم شاہ ازہری اور علامہ ارشد القادری رحمہا اللہ کی جھلک صاف نظر آتی ہے، حالاں کہ ہر انسان کا اپنا اسلوب نگارش ہوتا ہے۔ مولانا کا بھی اپنا انداز تحریر تھا۔ وہ واقعات نگاری یا منظر کشی میں بلا کی جاذبیت رکھتے تھے۔ کسی کی سیرت و سوانح لکھی یا تعارف لکھا تو خوب لکھا، لیکن غلو اور مبالغہ آرائی کو راہ نہ پانے دی۔ یہ وہ تحریری خوب صورتی ہے جو انھیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔

مولانا چشتی اچھے قلم کار ہونے کے ساتھ عمدہ خطیب بھی تھے۔ علمی حلقوں میں انھیں "خطیب الاسلام" کے لقب سے بھی جانا جاتا ہے۔ راقم کو آپ کے خطابات سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل ہے۔ نہایت سنجیدہ، نپی تلی اور فصیح و بلیغ زبان استعمال کرتے تھے، تقریر میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی وضاحت بھی ہوتی، جملے چھوٹے، مگر مربوط و مسلسل ہوتے، باتیں اتنی صاف اور سلجھی ہوتیں کہ ان کی زبان سے ادا ہونے والی ہر چیز سامعین کے دلوں میں اثر انداز ہوتی محسوس ہوتی۔ تقاریر میں آج کے نام نہاد مشہور خطبا کی طرح بے مقصد لن ترانیاں، چٹکلے، بے جا قصے کہانیاں نہیں ہوا

کرتی تھیں۔ آپ سامعین کو اپنے خطاب سے خدا طلبی کی راہ دکھاتے تھے۔ آپ کا مقصود لوگوں کی اصلاح ہوتا تھا اور جس بھی خطیب کا یہ مقصد ہوگا وہ ڈارامائی انداز میں لطیفے بازی، قصہ گوئی، چٹکلے اور قہقہوں سے سامعین کا وقت برباد نہیں کرے گا۔ اس کی نظر سامعین کی ذہنی عیاشی پر نہیں، اللہ کے حضور اپنے خطاب کی جواب دہی پر ہوتی ہے اور مولانا چشتی ایسے ہی خطیب تھے۔

مولانا چشتی کو راقم نے ان کے مریدوں کے حلقے میں دیکھا ہے۔ نہایت خوش مزاج، نرم گفتار اور سب کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھتے تھے۔ ان کی توجہ مریدوں کی جیب پر نہیں، بلکہ ان کے قلوب پر ہوتی تھی۔ وہ جہاں جس مجلس میں ہوتے اور چند مریدین بھی ہوتے تو خاموشی کی بجائے گویا رہتے اور مشائخ صوفیہ کے احوال و کوائف سے مریدین کو باخبر کرتے رہتے۔ زیادہ تر مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، خواجہ نظام الدین اولیا، خواجہ قیام اصدق جیسے متقدمین کی تعلیمات سے حاضرین کی تربیت فرماتے تھے۔ راقم سے جب آخری ملاقات ہوئی تو چند کتابیں اپنے دستخط سے "القدس لائبریری، داراپٹی" کے لیے عنایت فرماتے ہوئے فرمایا: مجھے آپ جیسے نوجوان علما سے بڑی امیدیں ہیں۔ آپ کو دین متین کے فروغ کے لیے خوب محنت کرنی چاہیے۔ آپ نے اس کوردہ سے علاقے میں لائبریری قائم کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ کوشش کریں کہ لائبریری سے آگے بڑھ کر ایک بڑا ادارہ قائم ہو اور وہاں سے صحیح معنوں میں دین کے عالم اور مبلغ نکلیں۔

جہاں وہ مجھ ہیچ مداں جیسے کوتاہ علموں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے، وہیں چند لوگوں سے شاکی بھی تھے، جن کا تذکرہ درمیان گفتگو کبھی کبھی آجاتا تھا۔ خاص کر اہل اسٹیج اور جلد باز قسم کے نوجوان علما سے انھیں کئی شکایتیں رہیں۔ مثلاً: شرعی مقاصد کو سامنے نہ رکھ کر کسی قول و فعل سے متعلق طعن و تشنیع اور الزام و اتہام تراشی کے رویہ سے بڑے نالاں رہا کرتے تھے۔ چناں چہ ایسا ہی ایک واقعہ انھوں نے "آئینہ حافظ ملت" میں تعزیہ داری کے حوالے سے لکھا ہے: "ایک بار انھوں نے حضور حافظ ملت سے تعزیہ داری کے حوالے سے ان کا خیال جاننا چاہا تو حضور حافظ ملت نے فرمایا: اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا خان بریلوی) قدس سرہ نے حرام لکھا ہے، مگر چاند رات ہی سے امام باڑوں پر قرآن خوانی کا انتظام، گھر گھر فاتحہ کرانے کا دستور، محلے محلے ذکر شہادت کے جلسوں کا اہتمام، ہر چوک چوراہوں پر سبیل لگانے کا معمول، شہر شہر غریبوں میں لنگر تقسیم کرنے کی رسم، فتح نشان کا جلوس جس سے غیروں پر اسلام کا دبدبہ قائم ہوتا ہے، اکھاڑوں میں فن سپہ گری کی تربیت جس سے جوانوں میں دفاعی قوت بیدار ہوتی ہے-ایک تعزیہ کی ذیل میں یہ سارے خیر انجام پاتے ہیں۔ ایک تعزیہ بند کر دو خیر کے یہ سارے دروازے خود بخود بند ہو جائیں گے۔ اسی لیے علمائے اہل سنت ناجائز کہتے ہوئے بھی سختی کو راہ نہیں دیتے ہیں۔" مولانا مزید لکھتے ہیں: لیکن، آج کے ناعاقبت اندیش نئے فاضلین نے تعزیہ کے مسئلہ پر بھی ہر طرف طوفان برپا کر رکھا ہے۔ (آئینہ حافظ ملت، ص: 147-48)

عوامی جلسوں سے متعلق جام نور دہلی کو 2004ء میں دئے گئے ایک انٹرویو میں آپ فرماتے ہیں: "رہی عوامی جلسوں کی بات تو چاہے وہ کسی نام سے ہو، یہ ایک خوب صورت اور نفع اندوز تجارت ہے۔ ایک خطیر رقم جلسہ کرانے والوں کو منافع میں چاہیے۔ غیر ضروری ڈیکوریشن اور آرائش پر نمائش اور کمپٹیشن کے طور پر پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے۔ چترویدی، لطیفہ باز اور ڈائلاگ بولنے والے مقررین مدعو کیے جاتے ہیں، جو اپنی بکواس میں رات گزار دیتے ہیں۔ صبح کو ایک طرف اذان ہو رہی ہے اور دوسری طرف پیشہ ور مقررین کی گاڑی روانہ ہو رہی ہے، جس کا کھلی آنکھوں سے عوام نظارہ کر رہے ہیں۔ بے گانے طعنہ زنی اور اپنے افسوس کر رہے ہیں۔ دوسرے روز ہر طرف چرچا ہے کانفرنس پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے اور ڈھائی لاکھ روپے خرچ ہوئے، پچیس ہزار کا مجمع تھا اور پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ لیکن، پوچھ دیجیے کہ عوام کو کیا ملا؟ تو جواب ہوگا: نغمہ، راگ،

لطیفہ، چٹکلا اور قہقہہ۔ افسوس! جو جلسے اصلاح عمل کے لیے ہوتے تھے آج وہ ذہنی عیاشی کا سامان بن کر رہ گئے ہیں۔ ہماری اور آپ کی یہ باتیں صرف انھی لوگوں کو اچھی لگیں گی جو گہرائی میں اتر کر اس کے نقصانات پر غور کرنے کی کوشش کریں گے۔ بدقسمتی سے ہمارے سرمایہ داروں کو بھی ان نمائشی جلسوں سے ہی دل چسپی ہے۔ وہ بھی پائیدار کام نہیں چاہیے ہیں۔ ورنہ، ان جلسوں کو بند کر کے ہی قومی سرمایے کے نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔" (روبرو، ص:103-04)

مولانا اشرفیہ کے زمانۂ طالب علمی کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اشرفیہ کی چھت پر طلبہ کی ٹیم سے دوران گفتگو ایک طالب علم نے تبلیغی جماعت کے حوالے سے کہا کہ "یہ جماعت والے سب کافر ہیں" مولانا نے اس کی تغلیط کی۔ معاملہ بڑھا تو حضور حافظ ملت تک بات جا پہنچی۔ حافظ ملت نے اگلے طالب علم کی بات سن کر استغفار کیا اور پھر موجود سارے طلبہ کو سمجھاتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں فرمایا:

میرے نزدیک تو ہر فاضل دیوبند بھی کافر نہیں ہے تا وقتیکہ وہ کفریات وہابیہ پر مطلع ہونے کے بعد ان کے کفریات کی تصدیق نہ کرتا ہو۔ (آئینہ حافظ ملت، ص:92)

تکفیر مسلم بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اسی لیے ہر دور میں محتاط علما نے اہل قبلہ کی تکفیر سے روکا ہے، بلکہ تکفیر سے سکوت میں نجات اور جلد بازی میں ہلاکت کی بات کی ہے۔ معدن المعانی میں مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری قدس سرہ نے ہر کلمہ گو کو مسلمان کہا ہے خواہ اس کا عقیدہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ فرقہ مجسمہ جو خدا کے لیے جسم ہونے کا قائل ہے، کو بھی کافر کہنے سے انکار کیا اور اسے بھی مسلمان مانا ہے۔ (معدن المعانی، ص: 39، ناشر مکتبہ شرف، خانقاہ مخدوم جہاں، بہار شریف نالندہ، اشاعت دوم: 2011)

معدن المعانی کے ایک مفہومی قول: مومن کی تکفیر میں عجلت نہیں چاہیے، پر مولانا چشتی اپنا تاثر لکھتے ہیں:

"احتیاط کی جو راہ حضرت مخدوم دکھلا رہے ہیں اس پر اہل خانقاہ عمل پیرا دیکھے جا رہے ہیں، البتہ اہل مدارس کی روش الگ ہے۔ وہ ظاہر پر حکم صادر کرنے میں ذرا دیر نہیں کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حقیقت کی تہ تک پہونچنے کے ہم مکلف نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ کہنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن آج مفتی کو مغالطے میں رکھ کر اپنے مطلب کا فتوی حاصل کرنے کا جو چلن چل پڑا ہے۔ اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ معاملے کی نوعیت جانی جائے اور مستفتی کا عندیہ معلوم کیا جائے۔ کیوں کہ شریعت کا حکم فتنہ جگانے کے لیے نہیں ہے، راہ حق دکھانے کے لیے ہے۔ آج جب کہ حق کے متلاشی کم ہیں اور فتنوں کو فروغ دینے والے زیادہ، تو حکم شرع نافذ کرنے سے پہلے تحقیق و تفتیش بہر حال ضروری ہے۔

حالیہ دنوں میں بڑے بڑے فتنے بیدار ہوئے ہیں جن کا موجب مفتی کا فتوی اور قاضی کا فیصلہ ہی بنا ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ اخلاص کا فقدان دونوں طرف ہے۔ فان تنازعتم فی شیئی فردوہ الی اللہ و الرسول پر عمل صدق دل سے کوئی نہیں چاہتا۔ انا کا آسیب سب کے اوپر سوار ہے اور ہر کسی کو اپنی خود نمائی محبوب ہے۔ جب شریعت کے علم برداروں کا قدم نفسانیت کی دلدل میں پھنس جائے گا تو نتائج وہی سامنے آئیں گے جن کا آج ہماری آنکھیں مشاہدہ کر رہی ہیں"۔ (آئینہ مخدوم جہاں، باب سوم، ص:267-68)

قیام حی علی الفلاح اور قیام ابتدا کو بعض تنگ نظروں نے سنیت اور غیر سنیت کے زمرے میں بانٹنے کی ناکام کوشش کی ہے جس میں کسی حد تک انھیں کامیابی بھی ملی ہے۔ بلکہ کئی رشتہ داریاں ٹوٹیں، کئی بیعتیں تڑوائی گئیں، کتنوں کی تعلیم پر اثر پڑا، کتنوں کی دوستیاں اور صاحب سلامت ختم ہوئی۔ گزشتہ دہائیوں سے آج تک اس کا ایسا مشاہدہ ہے کہ آپ کسی نوفارغ سے، کسی عامی سے پوچھ لیجیے وہ یہی کہے گا کہ قیام حی علی الفلاح والا ہمارا ہے اور قیام ابتدا والے کا شمار دوسروں میں ہوتا ہے۔ ہائے رے علمی گراوٹ! مگر، مولانا چشتی کا شمار ان میں نہیں ہے۔ مولانا

حضور حافظ ملت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک بار درس بخاری کے بعد فرمایا: عند الاحناف قیام حی علی الفلاح مستحب ہے (فرض وواجب یا سنت نہیں ہے) اور ترتیب صف (کاندھا سے کاندھا ملاکر سب کا صف سیدھی کرکے کھڑا ہونا) کی بھی تاکید (لازمیت) آئی ہے۔ اگر مسجد میں مقتدیوں کی تعداد اتنی ہے کہ قیام حی علی الفلاح کی صورت میں ترتیب صف باقی رہے گی تو قیام حی علی اولی (ٹھیک) ہے۔ اور اگر مسجد کشادہ ہے، نمازیوں کا ہجوم ہے، قیام حی علی الفلاح پر عمل کی حالت میں ترتیب صف قائم رہنا ممکن نہیں ہے، جماعت قائم ہوجانے کے بعد بھی لوگ آگے پیچھے ہوتے رہیں گے، تکبیر اولیٰ اور ثنا چھوٹ جانے کا ظن غالب ہے (جس کا عام مشاہدہ ہر جگہ عام ہے) تو قیام حی علی الفلاح کا ترک بہتر ہے۔ (یعنی ابتدائے اقامت سے ہی امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہوجانا اچھا ہے) جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں جمعہ کے دن مقتدیوں کا جم غفیر ہوتا ہے، کثیر صفوں کی لمبی قطاریں ہوتی ہیں، اس میں ترتیب صف کا لحاظ رکھتے ہوئے قیام حی علی الفلاح پر عمل ممکن نہیں ہے۔ لہذا میں (یعنی حضور حافظ ملت) جمعہ کی نماز میں اس کی پابندی نہیں کراتا ہوں۔

آج جو وہاں پر عمل (قیام حی علی الفلاح) نظر آتا ہے یہ بعد کی ایجاد ہے اور ان لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے جنھیں بیٹھے رہنے میں اہل سنت کا صرف شعار نظر آتا ہے، مسئلہ کی دوسری نزاکتوں پر نظر نہیں رہتی۔ (آئینہ حافظ ملت، ص:84-85)

یہی حال کچھ مائک/لاؤڈ اسپیکر پر نماز ادا کرنے کا ہے۔ استاذ گرامی محقق مسائل جدیدہ مفتی نظام الدین رضوی صاحب قبلہ نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جواز پر بہت پہلے ایک محقق کتاب لکھی جس کی علمی حلقوں میں خوب پذیرائی بھی ہوئی، لیکن اس کے باوجود حالیہ کچھ سالوں پہلے تک خود جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی اس عظیم الشان عزیز المساجد میں نماز ادا کرانے کے لیے اس کا گزر تک نہیں تھا۔ ایک مرتبہ تو جمعہ کے دن ہی عرس عزیزی تھا۔ لوگوں کا ازدحام تو طلبہ اور عوام کی وجہ سے ویسے ہی رہتا ہے اور عرس میں تو تقریبا پورا ہندوستان ایک طرح سے جمع ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود لاؤڈ اسپیکر کے بغیر نماز ادا کرائی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی وقت میں کوئی رکوع میں ہے، کوئی قیام میں تو کوئی سجدہ میں اور کچھ نماز سے فارغ ہوگئے اور کچھ ابھی حالت نماز ہی میں ہیں۔ خیر! اب خبر مل رہی ہے کہ جامعہ اشرفیہ میں بھی حالت نماز میں مائک کا استعمال ہونے لگا ہے۔

یہی حال ابھی ثبوت ہلال میں دیکھنے کو مل رہا ہے۔ رویت اور ثبوت ہلال کے مسئلے پر تمام تر جدید سہولیات کے باوجود ہم اپنی پرانی روش سے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں جس کے نتیجے میں ہماری آبادی کا ایک طبقہ دھیرے دھیرے غیروں سے ضم ہوتا جارہا ہے اور ہمیں خواب خرگوش سے فرصت بھی نہیں مل رہی ہے۔ اللہ ہم سب کو عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا چشتی کا تعلق ایک ایسے صوفی گھرانے سے ہے جس نے گزشتہ تین صدیوں سے علم و روحانیت اور شریعت وطریقت کی شمع روشن کر رکھا ہے۔ مولانا علمی کمالات کے ساتھ صوفیانہ روایات کے بھی پاس دار تھے۔ ان کا خانوادہ مشرباً چشتی ہے۔ چناں چہ ان کے یہاں سماع کا عام رواج رہا ہے۔ دوران طالب علمی ان کے ایک ہم درس مولانا شکیل خان بستوی سے ان کا مسئلہ سماع پر مباحثہ ہوگیا جس کے دوران مولانا بستوی نے یہ کہہ دیا کہ سرکار غوث پاک کے نزدیک سماع حرام قطعی تھا۔ بات بڑھی اور معاملہ حافظ ملت تک پہنچا تو آپ سخت غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرکار غریب نواز، حضور غوث پاک کے نزدیک حرام کار تھے۔ خاک بدہن ہرگز ایسا نہیں ہے۔ پھر فرمایا: سماع غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے ذوق طبع کے موافق نہیں تھا، لہذا سننے سے احتراز فرمایا، آپ کے متبعین آپ کی اتباع میں نہیں سنتے ہیں۔ سماع حضور غریب نواز رضی اللہ عنہ کے ذوق کے موافق تھا اس لیے آپ نے سنا اور آپ کی اتباع میں مشائخ چشت اہل بہشت بھی سنتے ہیں۔ (آئینہ حافظ ملت، ص:89)

مولانا کا ماننا ہے کہ وحشت کی حد تک بڑھے ہوئے

متشدد رویے نے امت کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے۔ دین اعتدال پسندی کا نام ہے، اس میں حکمت و مصلحت کو بہت جگہ ملی ہوئی ہے۔ دین کا کام حکمت و مصلحت چاہتا ہے۔ مولانا حکمت کے ساتھ نرم گفتاری اور تواضع پسندی پر بہت زور دیتے تھے۔ مولانا صرف اپنوں ہی کے نہیں، غیروں کی اصلاح کے بھی متمنّی رہا کرتے تھے۔ لیکن، انھیں شکایت ان دین پسندوں سے تھی جو ہر جگہ شمشیر بے نیام، خنجر برق و بار بن کر زہر آلود زبان لیے پھرتے ہیں اور اپنے محدود علم کو ہی کل جہان سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ دین کے داعی و مبلغ نہیں، دین کے لیے رکاوٹ اور دین سے دوری کا سامان ہوتے ہیں۔ نئی نسلوں میں جو دین سے دوری اور علما بیزاری دیکھی جا رہی ہے مولانا چشتی کا ماننا ہے کہ یہ ایسے ہی عاقبت نااندیشوں کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے۔

مولانا جماعت اہل سنت کے اکابرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ اہل علم انھیں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اور ان کی باتوں اور تحریروں کو اہمیت دیتے تھے۔ مولانا کے تعلقات بھی بہت وسیع تھے۔

مولانا چشتی متبحر عالم ہونے کے ساتھ اعلیٰ پایے کے مربی و شیخ طریقت بھی تھے، چناں چہ ان کی کتابوں میں جا بجا ایسے اقوال ملتے ہیں جو ایک مربی و مرشد کی غیر موجودگی میں بھی ایک طالب صادق کے لیے ارشاد و ہدایت کا فریضہ دیتے نظر آتے ہیں۔ ہم یہاں ان کی مختلف کتابوں سے چند اقوال کشید کر یکجا کر رہے ہیں اس حسن نیت کے ساتھ کہ مولیٰ اپنے محبوب بندوں کے طفیل میرے باطن کو ظاہر سے زیادہ منور کر دے۔

1- صدر نشین بننے سے آدمی بڑا نہیں ہوتا۔ خود کو اس قابل بناؤ کہ جہاں بھی تم بیٹھ جاؤ وہی جگہ مقام صدر بن جائے۔

2- نماز تواضع، انکسار، نیک نیتی اور خدا ترسی کے مجموعہ کا نام ہے۔ اگر فرائض و ارکان کی درستگی کے ساتھ میلان قلب اور رجحان دل رب کی رضا کی طرف نہیں تو پھر ایک رسم ہے جو روایتی طرز پر ادا کی جا رہی ہے اور بس۔

3- صرف مولوی بن کر کوئی اس راہ (تصوف) کا راہی نہیں بن سکتا۔ اس راہ میں اعمال کے ساتھ احوال کا درست ہونا بھی ضروری ہے۔

4- طریقت کی راہ نمود و نمائش اور خود بینی اور خود ستائی کی ڈگر سے ہٹ کر گزرتی ہے۔

5- آدمی اگر دو صفات کا پابند ہو جائے تو انسان تو کیا، قدموں کی کنکریاں بھی اس کا احترام کریں گی، ایک اخلاق اور دوسرا استقلال۔

ان تمام کے باوجود آپ کی زندگی نہایت سادہ، خود نمائی سے پاک اور عام سی تھی۔ لباس ہو یا نشست و برخواست، کھان پان ہو یا اور کوئی متعلقات، ہر چیز میں سادگی آپ کو پسند تھی۔ ہم نے جب بھی دیکھا ایک سادہ سے جبہ، صدری اور اصدقی ٹوپی میں دیکھا۔ بعض موجودین میں جو زرق برق لباس کا چلن، ساتھ میں خادمین کی لازمیت، نشست و برخواست اور کھان پان کا شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور صاحب ثروت لوگوں پر خصوصی توجہات جیسی چیزیں مولانا سے کوسوں دور تھیں۔ یہ چیزیں ان کی حیات کا کبھی حصہ نہیں رہیں، بلکہ بقول مکرمی مولانا سید سیف الدین اصدق چشتی انھوں نے اپنے صاحب زادگان کو بھی اس کی وصیت کر رکھی تھی کہ کسی بھی شخص کے کہنے پر میری قبر پر کوئی عمارت تعمیر نہ کی جائے اور نہ آج کے رواج کے مطابق کوئی عرس و میلہ کا اہتمام کیا جائے۔

آج کے اس دور میں جہاں ہر شخص مزار کی اعلیٰ تعمیر اور عرس و میلہ کے نام پر اپنے بچوں کا دنیوی مستقبل سیٹ کرنے پر تلا ہے، ایسی نصیحت واقعی اپنے اسلاف کی اعلیٰ تربیت کے ساتھ اپنی اولاد کی دینی ذہن سازی کی غماز ہے۔ ایک ایسی ہستی جن سے جیتے جی کافی مستفیض و مستفید ہوا جا سکتا تھا، افسوس! ہمارے یہاں ایسی ہستیوں کی قدر بعد وفات ہوتی ہے۔

اللہ ان کے مرقد انور پر اپنی رحمتوں کی خوب بارش کرے اور انھوں نے اپنی کتابیں اور ہم فکروں کی جو جماعت چھوڑی ہیں ان سے امت کو فیض یاب کرے۔ آمین۔ ☆☆☆

اسلوب نگارش

علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی
صاحب اسلوب نثر نگار

ڈاکٹر محمد ولی اللہ قادری، استاد گورنمنٹ انٹر کالج ضلع اسکول چھپرا بہار

خوشی اور غم انسان کی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ رمضان المبارک کے آغاز سے ہی راقم الحروف بہت خوش تھا کہ لخت جگر و نور چشم عزیزم حارث مبین قادری سلمہ نے چھ سال کی عمر میں مورخہ 19 فروری 2026 کو روزہ رکھنے کا آغاز کیا اور اس کے بعد مزید ایک روزہ رکھ کر دل کو باغ باغ کر دیا۔ لیکن 10 رمضان المبارک 1447ھ مطابق 28 فروری 2026ء بروز سنیچر سوشل میڈیا کے ذریعے خبر موصول ہوئی کہ شیخ طریقت حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ پھر افطار کے وقت شیخ المشائخ حضرت شاہ تیغ علی قادری قدس سرہ کے مرید اور ان کے پہلے خلیفہ حضرت مولانا حافظ محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مولانا غلام فرید تیغی حنیفی سجادہ نشیں خانقاہ قادریہ تیغیہ حنفیہ بمھن گواں شریف اورائی ضلع مظفر پور کا بھی وصال ہو گیا ہے۔ [اناللہ وانا الیہ راجعون]۔ مولانا غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ متعدّد باوقار نسبتیں رکھتے تھے۔ دونوں اہل سنت و جماعت کے بزرگ عالم ربانی تھے۔ اگر مولانا سید رکن الدین اصدق سابق مہتمم ادارۂ شرعیہ پٹنہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قدیم فارغ تھے تو مولانا غلام فرید تیغی مفتی اعظم ہند کا ادارہ، دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف سے فاضل اور فیض یافتہ تھے۔ علاوہ ازیں آپ شیخ المشائخ حضرت شاہ تیغ علی قادری قدس سرہ کے مرید صادق کے علاوہ حضور مفتی اعظم ہند کے شاگرد بھی تھے، آپ کو اپنے والد سے خلافت حاصل تھی۔ حضرت مولانا غلام فرید کا سال پیدائش 1931ء بتایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دونوں بزرگ عالم ربانی کی خدمات کو قبول کر ان کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔

دونوں بزرگوں میں پہلے شناسائی حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق بانی مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف پکی تالاب بہار شریف کی شخصیت کی ہوئی اس لیے ان کے حوالے سے یہاں اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ مولانا غلام فرید مظہری تیغی کے حوالے سے الگ گفتگو ہوگی ان شاء اللہ۔ آج سے بیس بائیس سال قبل خاک سار بریلی شریف میں دار العلوم مظہر اسلام کا طالب علم تھا اور قیام بنی آپا مسجد نزد اسلامیہ کالج بریلی شریف میں مقیم جہاں شہزادۂ صدر الشریعہ مفتی بہاء المصطفیٰ قادری استاد دار العلوم منظر اسلام اس وقت اس مسجد کے اعزازی امام جب کہ پہلے مستقل امام تھے اور ان کا مکان مسجد والے محلے میں ہے، اسی مسجد میں ادارۂ شرعیہ پٹنہ کا ترجمان پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ کا مفتی اعظم ہند نمبر کی زیارت ہوئی اور مطالعہ کیا۔ پندرہ روزہ رفاقت کے مفتی اعظم ہند نمبر میں ایک مضمون مولانا سید رکن الدین اصدق کا بھی پڑھا تھا۔ حضرت کے وصال کی خبر موصول ہونے کے بعد ایک بار پھر اس کا مطالعہ کیا۔ مضمون کا عنوان ”کشور علم کا وہ تاجدار جو ملک ولایت کا شہریار بھی تھا“ ہے۔ واضح رہے کہ یہ نمبر حضرت کے ادارت میں شائع ہوا تھا یہ دیگر بات ہے کہ چیف ایڈیٹر کے طور پر ارشد القادری، ایڈیٹر، معاون ایڈیٹر

9852234311 mdwaliullahquadari@gmail.com

اور مدیر اعزازی کے طور پر بالترتیب سید رکن الدین اصدق، عبد الواجد قادری اور ضیا جالوی درج تھا۔ حضور مفتی اعظم ہند کے وصال کے بعد مہینہ بھر میں ہی عرس چہلم کے موقع پر ایک معیاری نمبر کی اشاعت میں مولانا سید رکن الدین اصدق رحمۃ اللہ علیہ نے جو محنت کی وہ قابلِ اعتراف ہے۔ اس دور میں حضرت ادارۂ شرعیہ کے مہتمم کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے اس لیے مصروفیات کا کیا کہنا؟ لیکن مفتی اعظم ہند نمبر کے مطالعہ سے اہل سنت کے ان افراد کو بھی ہدایت مل جائے گی جو اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند سے حضرت کی عقیدت کا اعتراف نہیں کرتے ہیں بلکہ حضرت کی شان میں گستاخی کر اپنی عاقبت کو خراب بھی کرتے ہیں۔ مولانا سید رکن الدین اصدق نور اللہ مرقدہ کے ادارت میں شائع پندرہ روزہ رفاقت کے مفتی اعظم ہند نمبر کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اہل سنت کے دیگر رسالوں نے مفتی اعظم ہند پر نمبر اور گوشے شائع کیے لیکن ان سب پر پندرہ روزہ رفاقت کے اثرات مرتب ہوئے بلکہ اس کے مضامین کو بنیادی ماخذ کے طور پر قبول کیا۔ رفاقت کے مفتی اعظم ہند نمبر کے جملہ مضامیں پر اظہارِ خیال کی قطعی گنجائش نہیں البتہ مولانا رکن الدین اصدق کے مضمون پر روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ مفتی اعظم ہند سے حضرت کی عقیدت کا پتا چل جائے۔ یہ مضمون کئی نوعیت سے اہمیت کا حامل ہے۔ تمہید میں حضرت نے ولی اور ولایت کے متعلق اہم اطلاع دی ہے پھر اسلاف کے اقوال زریں کی روشنی میں حضور مفتی اعظم ہند کی ولایت کو واضح فرمایا ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند کی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں پہلی بار 1962ء میں زیارت اور حضور مفتی اعظم ہند اور حافظ ملت کے تعلقات کو جس عمدگی سے سپرد قرطاس کیا ہے وہ حضرت کا ہی حصہ تھا۔ پھر مفتی اعظم کے مبارک پور کے محلہ سکھٹی کے سفر کی روداد اور مفتی اعظم کے اخلاقانہ کردار کو جس اسلوب میں پیش کیا ہے وہ بہت خوب ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ کے دوران اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند نمبر کے لیے انھوں نے کس قدر سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مولانا سید شاہ قائم چشتی قتیل دانا پوری سے ملاقات کے لیے آراہ جانا اور ان سے قطعہ تاریخ کی فرمائش کرنا اور ان کے تاثرات کو سپرد قرطاس کرنا، یہ سب کیا بتاتا ہے؟ مولانا سید رکن الدین اصدق کے پہلے مضمون کے مطالعہ کے وقت ان کی نثر اور اسلوب تحریر کا جو جادو خاک سار کے دل پر چڑھا، اس میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر اس مضمون کا ایک اقتباس حاضر خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت حضور مفتی اعظم ہند کی نماز جنازہ میں عشاق کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"...ملک میں کوئی بھی عالم اپنے شہر میں اس درجہ مقبولیت نہیں رکھتا ہے اور یہی آپ (حضور مفتی اعظم ہند) کی پاکبازی کی روشن دلیل ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے بڑا پیارا شعر کہا ہے

جو جاننا چاہے اکبر کو تو پوچھ محلے والوں سے
دیوان تو اس کا دیکھا ہے وہ شعر بھی اچھا کہتا ہے

"قدر مردم بعد مردن" کے مصداق بعد وصال کے حالات نے تو پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ ایک محتاط عالم دین، ایک پرہیزگار مفتی شریعت، ایک بوریا نشیں فقیر درویش اور ایک علاحدہ پسند صوفی شیخ کے جنازہ کی شرکت کے لیے نہ صرف ملک کے طول و عرض سے مریدین و معتقدین اور علما و صالحین دوڑ پڑیں گے بلکہ امرا، رؤسا اور تجار کی کاریں بریلی کی سڑکوں پر دھوم مچادیں گی۔ اتنا ہی نہیں سیاسی لیڈروں بلکہ سربراہوں اور عالم اسلام کے سفرا کے طیارے بھی بریلی کی کھلی فضا میں عقیدت کے پرچم لہراتے نظر آئیں گے۔ ظاہری زندگی کا چراغ گل ہونے کے بعد اللہ والوں کی روحانی توانائی دوبالا ہوجاتی ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ اس لیے کہ قفس عنصری کو توڑ کر جب طائر روح پرواز کر گیا تو اب حدود عناصر کی پابندی اس پر عائد نہیں ہوتی۔ لہذا وہ غیبی تصرف کے لیے آزاد ہوجاتا ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے: موت سے ہوتی

ہے اس کی زندگی کی ابتدا جاودانی زندگی ملتی ہے یوں مرتا نہیں" (پندرہ روزہ رفاقت کا مفتی اعظم ہند نمبر، صفحہ 11)

راقم الحروف بریلی شریف سے فراغت کے بعد ادارہ شرعیہ پٹنہ پہنچا تو سید صاحب کی کتابیں مطالعے میں آئیں۔ سہ ماہی جام شہود کے مطالعے کا موقع فراہم ہوا۔ ادارۂ شرعیہ میں ہی ان کی کتاب "خطرات کے بادل" کا مطالعہ کیا۔ حضرت کی ایک کتاب۔ "حیات قیام اصدق" بھی سرسری پڑھا۔ اس دور میں اس کتاب پر ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی کا تبصرہ بھی اردو اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ یاد آتا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کے جشن صد سالہ پر القلم فاونڈیشن، پٹنہ کے زیر اہتمام مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد نے ایک شان دار تقریب انجمن اسلامیہ ہال، پٹنہ میں منعقد کی تھی، دن میں سیمینار کا پروگرام تھا جب کہ شب میں جلسے کا۔ سیمینار کے خصوصی مہمانوں میں غالباً حضرت کی تشریف آوری ہوئی تھی اور وہیں پہلی مرتبہ زیارت ہوئی۔ خاک سار کے لیے فخر کی بات یہ رہی کہ حضرت اور فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی مد ظلہ جیسے اکابرین کی موجودگی میں "مفتی اعظم ہند کا اسلوب فتویٰ نویسی" کے عنوان سے مقالہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت رئیس التحریر علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر ہمیں بہت پسند تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی صاحب اسلوب نثر نگار تھے تو ذرہ برابر مبالغہ نہ ہوگا۔ مذہبی موضوعات ہوں یا ملی و سیاسی ہر ایک موضوع پر آپ نے معیاری تحریر سے ارباب علم و دانش کو متوجہ کیا اسی لیے آپ کی تحریری صلاحیت کا اعتراف ہر ایک شعبہ میں کیا گیا۔ آپ کا مطالعہ وسیع تھا۔ اسی سبب ان کے مضامین ہوں یا جام شہود کے اداریے، ہر جگہ تاریخی حوالے بیش از بیش ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنی پہلی کتاب "تاریخ ہجرت" کے پیش لفظ میں تحدیث نعمت کے طور پر جو لکھا ہے اس سے راقم الحروف کو مکمل اتفاق ہے۔ حضرت رقم طراز ہیں:

"الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے تعلیمی دور میں مجھے تاریخ بینی سے گہرا شغف تھا اور اشرفی دار المطالعہ کی اکثر کتابیں میری نظر سے گزر چکی تھیں اس لیے واقعات اب تک حاشیۂ ذہن پر مرتسم تھے جس کی وجہ سے واقعات میں تسلسل پیدا کرنے اور مضمون کو کتابی شکل دینے میں مجھے زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ ہاں نام و مقام میں شبہ پیدا ہوا یا تاریخ و دن گوشۂ ذہن میں محفوظ نہ مل سکے تو کتابوں کا سہارا لینا پڑا۔ اگرچہ میں نے کتاب کو حوالوں سے مزین کرنے کی کوشش نہیں کی ہے مگر یہ لحاظ ضرور رکھا گیا ہے کہ باتیں بے سند نہ ہوں۔" (تاریخ ہجرت، صفحہ 11)

عظیم آباد پٹنہ کے بعد راقم الحروف جامعہ مخدومیہ تیغیہ معین العلوم سمستی پور پہنچا وہاں جامعہ ھذا کے روح رواں اور ہمارے عظیم محسن حضرت مولانا قاری محمد مطیع الرحمن اشرفی مصباحی سے حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت اور ذرہ نوازی کا چرچا سنتا رہا اور سہ ماہی جام شہود بہار شریف میں ان کے قلمی فیوض و برکات سے مالا مال ہوتا کیوں کہ وہاں جام شہود کا پرچہ بلا ناغہ پہنچتا تھا۔ 2014ء میں جامعہ مخدومیہ میں ہی حضرت مولانا رکن الدین اصدق مصباحی کی کتاب "آئینہ مخدوم جہاں" کا مطالعہ کیا۔ یہ کتاب حضرت نے ہمارے کرم فرماں قاری صاحب قبلہ کو اپنی خوش خط تحریر اور دستخط کے ساتھ نذر فرمائی تھی۔ سمستی پور میں ہی حضرت کے صاحب زادے مولانا سید نور الدین اصدق مصباحی اور مولانا سید سیف الدین اصدق مصباحی سے ملاقات ہوئی۔ جامعہ مخدومیہ تیغیہ معین العلوم کے جلسۂ دستار بندی میں مولانا سید نور الدین اصدق مصباحی متعدّد بار تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔ ایک جلسے میں مولانا سید سیف الدین اصدق کا خطاب بھی ہوا دونوں حضرات سے ملاقات اور گفتگو ہوئی دونوں میں سادگی اور علمی وقار دیکھ کر ایک مثالی والد کی تربیت کا گواہ بن گیا۔

دو سال قبل ہمارے وطن مشرقی چمپارن موتی ہاری کے ضلع انتظامیہ سے ضلع سطحی فروغ اردو سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا اس سیمینار کے لیے چمپارن کا ایک مشہور

شاعر اور ادیب عنایت الرحمان عنایت کے حوالے سے مقالہ تیار کرنے کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ وہ سلسلۂ اصدقیہ چشتیہ میں صوفی عبد الحمید چشتی اصدقی سے مرید تھے اور حضرت نے ان کو خلافت سے بھی نوازا تھا۔ مزید معلومات کے لیے علامہ رکن الدین اصدق مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حیات اصدق" کا مطالعہ شروع کیا تو مذکورہ کتاب میں شاہ عبد الحمید چشتی اصدقی کے حوالے سے دو صفحات پر حضرت کی تحریر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کیوں کہ شاہ عبد الحمید چشتی خواجہ سرائے مڑھورہ ضلع سارن کے رہنے والے تھے، مزار بھوال پور چھپرا میں ہے، جہاں آنے کے لیے آرزو مند رہے۔ اس کے بعد حضرت کا موبائل نمبر تلاش کر رابطہ کی کوشش کی لیکن افسوس صد افسوس رابطہ نہیں ہو سکا۔ جس کا افسوس ہمیشہ رہے گا۔ شاہ عبد الحمید چشتی اصدقی کے سالانہ عرس کی تقریب کے حوالے سے بھوال پور باشندہ اور سارن کمشنری کا مشہور عالم دین مولانا نثار احمد مصباحی سربراہ دار العلوم نعیمیہ صاحب گنج چھپرا سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ امسال حضرت علامہ سید شاہ رکن الدین اصدق مصباحی کی تشریف آوری کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔ افسوس کہ ہم لوگوں کی خواہش پوری نہیں ہو سکی۔

حاصل کلام یہ کہ علامہ سید رکن الدین اصدق مصباحی نور اللہ مرقدہ ساٹھ سال تک قلمی خدمات انجام دے کر رخصت ہوئے۔ شیخ طریقت کی حیثیت سے ہندوستان میں شاید ہی کوئی شخصیت ہو جو بیک وقت سجادہ نشیں کی ذمے داریاں نبھانے اور عوام کی اصلاحی اجلاس کے پسندیدہ خطیب کے طور پر اپنی شناخت قائم کی ہو۔ اخیر عمر تک ان کا قلم بالیدہ رہا افسوس صد افسوس کہ قلم کا ایک بے لوث سپاہی ہم سے رخصت ہو گیا۔ راقم الحروف ان کے لواحقین بالخصوص مولانا سید سیف الدین اصدق مصباحی و مولانا نور الدین اصدق مصباحی کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے اور دعا گو بھی کہ اللہ پاک حضرت کی خدمات کے صدقے ان کے درجات کو بلند فرمائے آمین بجاہ سلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ■■■■

(ص:57 کا بقیہ)

"کھیتی کے شرعی مسائل" اور دیگر کتب کی بھی رونمائی ہوئی۔ حضرت فقیہ النفس مدظلہ العالی نے علما کی علمی بیداری اور قلمی خدمات پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تبریک و تحسین پیش کی، اور رسالہ "انکشاف" کے معیار و مشمولات کو سراہا، اس کے بعد مولانا عسجد رضا مصباحی کے ساتھ صلاۃ و سلام پیش کیا گیا، اور مفتی غلام یٰسین رضوی کی دعا پر سیمینار اختتام پذیر ہوا۔

بہت سے دینی مدارس کے اساتذہ اور علما مفتی ضمیم احمد مصباحی، مفتی عبد الخبیر مصباحی مفتی زبیر عالم، مولانا شہریار رضا، مولانا ابرار عالم مصباحی، مولانا نوشاد عالم جامعی، مفتی ساجد حسین مصباحی، مولانا تنویر ارشد مصباحی، مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی، مولانا احمد رضا، مولانا مسعود رضا، مفتی شہروز عالم اکرمی، مفتی ڈاکٹر سبطین رضا مرتضوی، مفتی کمال الدین مصباحی، مفتی حسن رضا مصباحی وغیرہ کے مضامین سیمینار میں موصول ہوئے۔

مفتی فضیل یاسینی مصباحی، مولانا شمس تبریز افقر پور نوی، حضرت عسجد رضا مصباحی، مولانا صبغۃ اللہ رشیدی، مفتی صابر رضا مصباحی، مفتی ارمان علی سمنانی، مفتی شاہ الحمید مرکزی، مفتی جسیم اکرم مرکزی، مولانا فہیم اختر مصباحی، مولانا وسیم اختر مصباحی، مولانا عمار رضا، مولانا احرار رضا، مفتی اقدس رضا، مولانا عسجد رضا قادری، مولانا محمود رضا حنفی، مولانا سید احمد کبیر عظمتی، مولانا شہروز عالم رشیدی، مولانا ابو اللیث رشیدی، قاری مشتاق جیلانی، مولانا ساجد حسین جامعی، مولانا رہبر جامعی یاسینی، مولانا افروز قادری، مولانا ڈاکٹر مصور رضا مصباحی، مفتی ریاض امجدی، مولانا مفتی اکرام الحق، مفتی امیر اعظم، مفتی محمد رضا مرکزی، مولانا شاداب مصباحی، مولانا صادق رضا، مفتی جاوید اختر جامعی، مولانا نوازش رضا مصباحی، مولانا انصر رضا امجدی، مولانا رضوان ازہری، مولانا مبارک حسین غوثی، مولانا امام اختر، مولانا اکمل یزدانی، مولانا صدام حسین نعمانی، قاری نیاز احمد رضوی وغیرہ شریک اجلاس رہے۔

■■■

گوشۂ ادب

رئیس التحریر حضرت مولانا رکن الدین اصدق مصباحی
اپنی دو تصانیف کے آئینے میں

از: پروفیسر فاروق احمد صدیقی

رئیس التحریر حضرت مولانا شاہ رکن الدین اصدق علیہ الرحمہ ایک عالم باعمل، پیکر زہد و اتقا اور صوفی باصفا کی حیثیت سے پورے بلاد ہند میں محبوب و محترم تھے۔ انھوں نے زبردست خطیب، مایہ ناز متکلّم، بلند پایہ مصنف اور ممتاز مذہبی مفکر کی حیثیتوں میں اپنی مستحکم شناخت بنائی۔ اس لحاظ سے ان کو جامع حیثیات و کمالات کیا جاسکتا ہے۔ اپنے ان اوصاف کے علاوہ وہ اپنے ہم عصر علما میں بہت محتاط، متدین اور متشرع تھے۔ اس لیے ان کے انتقال پر ملال سے دنیاے اہل سنت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ مولاے کریم ان کی تربت پر رحمت و نور کی بارش برسائے (آمین)۔

حضرت شاہ صاحب مجھ کو بے حد عزیز رکھتے تھے، میری ان سے پہلی ملاقات ادارہ شرعیہ پٹنہ میں ہوئی تھی جہاں وہ بحیثیت مہتمم تمام ذمہ داریاں سنبھالے ہوتے تھے۔ علامہ ارشد القادری ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں ادارہ کا پٹنہ اور نواح پٹنہ میں بہ سرعت تعارف ہوا۔ اس زمانے میں ادارہ سے ماہ نامہ "رفاقت" بھی شائع ہوتا تھا، جس کے وہ مدیر تھے اور اسی میں ان کا مشہور مقالہ "تاریخ ہجرت" کے عنوان سے بالاقساط شائع ہوا کرتا تھا جو کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔ ان کے قلم کی زرخیزی اور توانائی کا مجھے اسی زمانے میں ہی احساس ہونے لگا تھا، پھر بعد میں ان کی مختلف تصانیف کا مطالعہ کر کے اندازہ ہوا کہ وہ واقعی ایک صاحب طرز قلم کار ہیں۔ اور بجا طور پر ان کو "رئیس التحریر" کا لقب دیا جاسکتا ہے۔ ادارہ شرعیہ کے قیام کے بعد انھوں نے بہار شریف کو اپنا مستقل مستقر بنا لیا اور وہاں مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کے نام سے 1984 میں ایک شان دار ادارہ قائم کر لیا جو بہت جلد اپنی گراں قدر خدمات کی بدولت ہند گیر شہرت کا حامل ہو گیا۔ وہاں سے انھوں نے "جامِ شہود" کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا جو علمی و ادبی حلقوں میں قدر و احترام کی نظروں سے دیکھا گیا اور آج بھی وہ رسالہ اپنی فتوحات کے پرچم ملک کے طول و عرض میں لہرا رہا ہے۔ اس کے مدیر اعلیٰ آپ خود رہے اور اداریہ بھی آپ کے خامۂ زر نگار کا رہین منت ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی مختلف عنوانات پر آپ کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے جو اپنے فکر و مواد اور پیشکش دونوں لحاظ سے انتہائی بصیرت افروز اور چشم کشا ہوتے تھے۔ افسوس "جام شہود" اب آپ کے فیوض و برکات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد میں اپنے موضوع کے تعلق سے کچھ اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں۔ یوں تو حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہے۔ ان سب کا احاطہ کرنا سر دست ممکن نہیں اس لیے ان کی صرف دو تصانیف "درس رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) اور "آئینہ حافظ ملت" کے حوالے سے ہی گفتگو کی جائے گی۔ سب سے پہلے "درس رسول" کے تعلق سے اپنا حاصل مطالعہ پیش کرنا چاہوں گا۔ یہ کتاب مقدمہ کے علاوہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اور ہر باب کے تحت تقریبا ایک ایک درجن ذیلی عنوانات ہیں۔ باب اول میں ایمانیات سے بحث کی گئی ہے۔ باب دوم میں عبادات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ باب سوم میں معاملات سے بحث کی گئی ہے۔ باب

9835660835

چہارم اخلاقیات کی تعلیمات پر مشتمل ہے اور باب پنجم میں آثار قیامت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اسی طرح ایک مومن کی مکمل زندگی کے تمام مسائل و معاملات زیر بحث آجاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے باب اول کے ذیلی عنوان "حدیث جبرئیل" کے تعلق سے حضرت رئیس التحریر کی تشریحات پر اظہار خیال کروں گا۔

حدیث جبرئیل حدیث پاک کی سب سے مشہور متداول کتاب "مشکوۃ المصابیح" کی دوسری بڑی اور طویل حدیث ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کی بڑی نفیس اور ایمان افروز تشریح فرماتے ہوئے آخر میں ایک اہم مسئلہ کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے، جس کے مطالعہ سے ایمان کے گلشن میں تازہ بہار آجاتی ہے حضرت ہی کی زبان سے ملاحظہ ہو۔

"ضروری وضاحت:- حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) علم مغیبات یا کسی ایسی چیز سے متعلق صحابہ سے سوال فرماتے جس کا علم انھیں نہ ہوتا تو ان کا جواب ہوتا "اللہ و رسولہ اعلم" جیسا کہ اس حدیث پاک میں مذکور ہے۔ یعنی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ لہذا مسلم گھرانوں کی دین دار عورتوں میں جو یہ مروج ہے کہ جب ان سے کوئی ایسی بات پوچھی جاتی ہے جس کا انھیں علم نہیں ہوتا تو جواب دیتی ہیں کہ ہم کیا جانیں، اللہ اور اس کا رسول جانے۔ اس جملے کو شرک قرار دنیا محض جہالت ہے۔ اور یہ کہنا کہ اللہ تو جانتا ہے رسول کیا جانے، بدترین جسارت ہے اور بارگاہ رسول میں کھلی گستاخی ہے۔ معاذ اللہ! بلاشبہ خواتین کی زبانوں پر یہ رائج جملہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مستعار لیا ہوا ایمانی جملہ ہے۔

آج لے ان کی پنہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا۔"

(درس رسول، باب اول-ایمانیات ص34)

باب سوم جس کا موضوع معاملات ہے اس کے تحت ایک ذیلی عنوان "مال حرام کی گرم بازاریاں" ہے اس سلسلہ میں حضرت رئیس التحریر نے ایک واقعہ بیان کر کے اکل حلال کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

"جب میں ادارہ شرعیہ پٹنہ کا مہتمم تھا اور حضرت مولانا فضل کریم صاحب علیہ الرحمہ قاضی شریعت تھے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ دارالقضا میں وہ مسند لگائے بیٹھے ہیں۔ رجسٹر کھلا ہے اور ہاتھ میں قلم ہے اور سانس کی تکلیف بہت بڑھی ہوئی ہے۔ میں عرض کیا، حضرت! آپ کا یہ کیا حال ہے؟ بس دس منٹ پہلے یہ دورہ شروع ہوا اور تکلیف بڑھتی جارہی ہے۔ میں نے کہا، حضور رجسٹر بند کر کے آرام فرمائیں۔ فرمایا: اچھی بات ہے۔ ایک گھنٹہ بعد دیکھا کہ آپ اسی حال میں کچھ لکھ رہے ہیں۔ میں نے پھر کہا: قاضی صاحب! تکلیف زیادہ ہے آپ آرام فرمائیں۔ فرمایا کہ! مہتمم صاحب آپ کی اجازت ہے تو آرام ہی کروں گا مگر میں نے رجسٹر پر حاضری بنادی ہے اس لیے تنخواہ تو بن گئی، اب اگر میں کم از کم تین نوٹس جاری نہیں کروں گا تو میری آج کی روٹی کیوں کر حلال ہوگی؟ اگر طبیعت کچھ دیر پہلے خراب ہوتی تو حاضری ہی نہیں بناتا۔ میں حضرت کے جواب پر حیران رہ گیا۔ ایسے محتاط علما رزق حلال کے متلاشی اب ڈھونڈنے سے کہاں ملتے ہیں؟" (درس رسول، باب معاملات، ص140)

درس رسول کے جملہ مشتملات قابل توجہ اور فکر انگیز ہیں، زندگی آمیز بھی ہیں اور زندگی آموز بھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان سب کو ایک مضمون میں نہیں سمیٹا جاسکتا۔ اس لیے اب میں حضرت رئیس التحریر کی دوسری اہم کتاب "آئینہ حافظ ملت" کے حوالے سے کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔ جیسا کہ کتاب سے نام سے ظاہر ہے کہ یہ حافظ ملت کی تقریباً مکمل سوانح حیات ہے جو بڑی عقیدت و محبت سے الفاظ کے قالب میں ڈھالی گئی ہے۔ حضرت حافظ ملت حضرت شاہ صاحب کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور سید زادہ ہونے کے ناطے ان کا احترام بھی کرتے تھے۔ اس لیے حضرت شاہ صاحب نے بھی اپنے استاذ کی عظمت و جلالت شان بیان کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروے کار لانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ یوں تو اس کتاب کا بھی ہر صفحہ قابل استفادہ ہے لیکن میں صرف دو تین بہت ہی اہم امور و

مسائل کے حوالے نقل کرنے پر اکتفا کروں گا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تبلیغی جماعت کے تعلق سے حضرت حافظ ملت مولانا عبد العزیز علیہ الرحمہ بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے خیالات کو پیش کیا جائے گا کیوں کہ یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اکثر سنی حضرات اس جماعت کے احسان و عقیدہ کے تعلق سے بحثیں کرتے رہتے ہیں۔ خود حافظ ملت کی تبلیغی جماعت کے بارے میں کیا رائے تھی، رئیس التحریر حضرت مولانا رکن الدین اصدق کے حوالے سے ملاحظہ ہو:

"دار العلوم اشرفیہ کی چھت پر طلبہ کی ٹیم کھڑی تھی اور پیچھے سڑک سے تبلیغی جماعت کا ایک غول گزر رہا تھا، انھیں دیکھ کر ایک طالب علم بول پڑا، یہ جماعت والے سب کافر ہیں۔ میں معترض ہوا کہ یہ غلط ہے، بہت سے نادان سنی بھی اس میں شامل ہیں۔ طلبا کی اکثریت نادان دوست کی ہم نوا بن گئی، فیصلہ حافظ ملت پر چھوڑا گیا۔

پوری ٹیم حافظ ملت کی درس گاہ میں پہنچی، میں نے اپنے ساتھی کا قول آپ سے بیان کیا، حضرت نے کیا۔ استغفر اللہ اس کے بعد نہایت خفگی کے لہجے میں فرمایا کہ ان میں پچاس فیصد بھولے بھالے، سیدھے سادھے سنی مسلمان پھنسا کر لائے جاتے ہیں۔ ان بے چاروں کو کچھ نہیں معلوم کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا اصل مقصد کیا ہے۔ وہ کلمہ اور نماز کے نام پر دھوکہ کھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فیصلہ کن لہجے میں فرمایا، میرے نزدیک تو ہر فاضل دیوبند بھی کافر نہیں ہے تاوقتے کہ وہ کفریات وہابیہ پر مطلع ہونے کے بعد ان کے کفریات کی تصدیق نہ کرتا ہو۔"

(آئینۂ حافظ ملت، ص:92)

میں اس بات پر اپنی طرف سے کوئی حاشیہ آرائی کرنا نہیں چاہتا۔ صاحبان فکر و نظر خود ہی حافظ ملت کی رائے کی روشنی میں اپنا قبلہ درست کر سکتے ہیں۔

اسی طرح حافظ ملت کے سامنے ان کے کچھ شاگردوں نے سماع کے جائز و ناجائز ہونے کے تعلق سے ان کی رائے جاننی چاہی۔ اس سلسلہ میں ایک صاحب بہت ہی مشہور تھے جو سماع کو حرام قرار دیتے تھے۔ اب پوری بات حضرت رئیس التحریر کے حوالے سے ملاحظہ ہو:

"دار العلوم اشرفیہ میں ایک مولوی شکیل احمد خان بستوی میرے ہم درس تھے۔ ان کے مزاج میں وحشت کی حد تک تشدد تھا۔ ایک بار طلبہ کی مجلس میں علمی مباحث کے دوران بڑی بے خوفی سے بول پڑے کہ سماع تو غوث پاک کے نزدیک قطعی حرام تھا، یہ بات میرے لیے ناقابل برداشت تھی لہذا بحث طول پکڑ گئی۔

فیصلے کے لیے ہم لوگ حافظ ملت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے حضرت کو پوری گفتگو سنا دی۔ حضرت نے سخت غضبناک ہو کر فرمایا۔ معاذ اللہ! اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرکار غریب نواز حضور غوث پاک کے نزدیک حرام کار تھے۔ خاک بدہین ہرگز ایسا نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ عقیدت بر دوش شرح فرمائی، پڑھیے اور دل و نگاہ کو عقیدت کی خوشبو پہنچائیے۔ فرمایا: سماع غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے ذوق طبع کے موافق نہیں تھا لہذا سننے سے احتراز فرمایا، آپ کے متبعین آپ کی اتباع میں نہیں سنتے ہیں۔

سماع، حضور غریب نواز رضی اللہ علیہ کے ذوق طبع کے موافق تھا اس لیے آپ نے سنا اور آپ کی اتباع میں مشائخ چشت اہل بہشت سنتے ہیں۔ ہر سلسلہ کے لوگ اپنے پیران شجرہ کے طریقے کے پابند ہیں۔

حافظ ملت کی پاکیزہ گفتگو نے سبھوں کے فکر و خیال کو روشن کر دیا۔ مولانا شکیل احمد خان کے فکر ژولیدہ کے اسیر آج بھی بہت لوگ ہیں جو ماحول کو پراگندہ کر کے سواد اعظم کے درمیان دوری کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔" (آئینۂ حافظ ملت، ص:88)

اس طرح کے درجنوں واقعات زیر نظر کتاب "آئینہ حافظ ملت" میں موجود ہیں جو براہ راست مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ میں اپنی بات اقبال کے اس مصرع پر ختم کرتا ہوں۔

ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالہ

نقد و نظر

تاریخ ہجرت

سید رکن الدین اصدق مصباحی علیہ الرحمہ کے خامۂ زر نگار اور ادیبانہ فکر و فن کی منہ بولتی تصویر

از: مہتاب پیامی

سید رکن الدین اصدق مصباحی علیہ الرحمہ کی تصنیف "تاریخِ ہجرت" اردو کے تاریخی و مذہبی ادب میں ایک نہایت وقیع اور منفرد اضافہ ہے۔ یہ کتاب صرف تاریخی وقائع نگاری کا مرقع نہیں بلکہ عشقِ رسالت، تحقیقی بصیرت اور ادبی چاشنی کا ایک ایسا دلنواز سنگم ہے جو قاری کو چودہ سو سال پیچھے مدینہ کی گلیوں اور ہجرت کے کٹھن راستوں میں لے جاتا ہے۔

وجہِ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے صاحبِ کتاب لکھتے ہیں:

"آج سے تقریباً گیارہ سال قبل میں ایک دن گیا اسٹیشن پر ٹرین کا انتظار کر رہا کہ کالج کے چند طلبا جو غالباً مجھے پہچانتے تھے میرے قریب آئے۔ سلام اور مصافحہ کے بعد انھوں نے مجھ سے سیرت کے موضوع پر لکھی جانے والی کسی ایسی کتاب کا نام دریافت کیا جو سنی عالم دین کی تصنیف ہونے کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کی چاشنی سے مملو اور جدید طرز نگارش سے آراستہ بھی ہو۔

مجھے ان کے سوال سے کسی قدر پریشانی لاحق ہوئی کیوں کہ میرے علم میں ایسی کوئی کتاب نہیں تھی جو ان لوگوں کا مطالبہ پورا کر سکتی ہو۔ علامہ نور بخش توکلی کی کتاب سیرت رسول عربی اور علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی کی کتاب سیرت مصطفیٰ یقیناً مستند تواریخ میں شمار کی جاتی ہے مگر جس چیز کی تلاش ان نوجوانوں کو تھی وہ اس میں موجود نہیں۔

جدھر دیکھیے افسانے ڈرامے اور ناولوں کی گرم بازاری ہے اور نوجوان طبقہ اس کے پیچھے بھاگا جا رہا ہے، یا پھر سرے سے اردو خوانی کا کوئی جذبہ نہیں رہ گیا ہے۔ ساری دلچسپی دوسری زبانوں کے گرد گھوم رہی ہے۔ گھر میں ہیں تو انگریزی اخبار ہاتھ میں ہے، باہر جا رہے ہیں تو ہندی پرچہ ساتھ میں ہے ایسے افسانہ پرستی اور ناول پروری کے زمانے میں اگر کچھ نوجوان فرضی قصے اور بناوٹی کہانیوں کی جگہ عہد رسالت اور دور صحابہ کے ایمان افروز واقعات و حکایات کو الفاظ کے الٹ پھیر کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں تو یہ جذبہ بھی کم مبارک نہیں ہے۔

آج کے اسلوب تحریر میں منظر کشی اور سماں بندی کا جو رجحان پیدا ہو گیا۔ اس نے پرانی اردو کا ذوق ختم کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں کل کی اردو عربی و فارسی زبانوں کا چربہ معلوم ہوتی تھی اور آج کی اردو مروج زبانوں کا مرقع نظر آتی ہے۔

خود اپنا حال یہ ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے لکھی جانے والی اردو کتاب جب سامنے آتی ہے تو یکسوئی کے ساتھ چند صفحات پڑھنا گراں گزر جاتا ہے۔ وجہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ تب کی اردو میں الفاظ اور فقرے اب کی اردو سے بالکل مختلف ہیں جو ذہن پر بار بن جاتے ہیں اور طبیعت اکتا جاتی ہے۔"

(ص:9،10)

مزید لکھتے ہیں:

"اسی ماہ و سال کی بات ہے کہ میں نے "ہجرت کی رات" کے عنوان سے ایک چند ورقی مضمون لکھا تھا اور خیال تھا کہ اہل سنت کے کسی ماہ نامے میں جگہ پا جائے گا۔ جن علم دوست احباب کی نظروں سے وہ مضمون گذر چکا تھا ان کی طرف سے بھی مضمون کی اشاعت کا مطالبہ ہو رہا تھا مگر ان طلبہ کی ملاقات اور

payamee@gmail.com +91 9235647041

گفتگو کے بعد میرا ارادہ یکایک بدل گیا اور میں یہ سوچنے لگا کہ کیوں نہ میں اسی مضمون کو پھیلا کر ایک کتاب کی شکل دے دوں جو اگرچہ تاریخی دستاویز تو نہ بن سکے گی لیکن اسلامی تواریخ کے مطالعہ کے لیے نوجوانوں کا ذہن ہموار کرنے میں کسی حد تک معاون ضرور ثابت ہوگی، چنانچہ عزم وارادہ نے خیال کو حقیقت سے بدل ہی ڈالا۔"

سطورِ ذیل میں ہم اس کتاب کی زبان و بیان، اسلوب، ادبی حیثیت اور تاریخی اہمیت کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں:

تاریخِ عالم میں "ہجرتِ مدینہ" وہ موڑ ہے جہاں سے کفر و اسلام کی کشمکش ایک نئے دور میں داخل ہوئی اور تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا انقلاب رونما ہوا۔ سید رکن الدین اصدق نے اس موضوع کا انتخاب کر کے نہ صرف ایک دینی فریضہ ادا کیا بلکہ تاریخی حقائق کو نئے زاویوں سے پرکھنے کی کوشش بھی کی۔

لکھتے ہیں:

"میں نے کتاب کو نئے طرز پر ڈھالنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ اس کے لیے مجھے الفاظ کے پیچ وخم میں الجھنا پڑا ہے بلکہ کہیں کہیں تمثیلات کا سہارا بھی لینا پڑا ہے۔ لیکن واقعات کو مسخ ہونے سے بچانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ حتی المقدور یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ اسلوب بیان ہی نیا ہو، واقعہ نیا نہ بن جائے۔

زیر نظر کتاب میں ہجرت نبوی کی جو تفصیل اسباب و علل کے ساتھ پیش کی گئی ہے وہ معتبر کتب تواریخ سے ماخوذ ہے۔ کتاب کی ترتیب میں سیاق و سباق کا اسی قدر حصہ سامنے لایا گیا ہے جو ہجرت کے قبل اور بعد کے حالات کی پوری طرح عکاسی کر سکے اور ناظرین فوائد ہجرت کے باریک پہلوؤں کو بھی بخوبی جان سکیں اس لیے میں نے اس کتاب کا نام تاریخ ہجرت تجویز کیا ہے۔"(ص:14)

242 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ہجرت کے محرکات، سفر کے جزئیات اور مابعد ہجرت کے اثرات کا احاطہ کرتی ہے۔

مصنف نے اس میں صرف "سفر" کو موضوع نہیں بنایا بلکہ اس کے پیچھے کارفرما الوہی حکمتوں کو بھی اجاگر کیا ہے۔

یہ کتاب پہلے ماہنامہ "رفاقت" میں قسط وار شائع ہوتی رہی، یہی وجہ ہے کہ اس کے ہر باب میں ایک خاص تسلسل اور ربط پایا جاتا ہے جو قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے۔

سید رکن الدین اصدق صاحب کی تحریر کی سب سے بڑی خوبی ان کی زبان ہے۔ انھوں نے ثقیل اور بوجھل تاریخی الفاظ کے بجائے ایسی زبان استعمال کی ہے جو سادہ بھی ہے اور پر کار بھی۔ کتاب میں استعمال ہونے والی تراکیب اور جملوں کی ساخت سے مصنف کی لسانی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ جذبات کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں کہ منظر نگاری کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

ذیل کے اقتباس میں اس کمال فن کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے:

"نمود سحر کے ساتھ ہی درخت کی جھومتی ڈالیوں سے ابوقبیس کی قریبی پہاڑیوں سے اور آسمان کی کھلی ہوئی فضاؤں سے پرندوں کی چہچہاتی آواز گونجی، محاصرین چونک چونک کر اٹھے تو دیکھا کہ آمنہ کے در یتیم کی سلامتی پر ہر طرف شادیانے بج رہے ہیں۔ وہ بڑبڑا کر گھر میں داخل ہو گئے مگر وہاں بھی مایوسی نے پیچھا نہ چھوڑا، بستر رسول خالی تھا اور علی مرتضیٰ مصلے پر بیٹھے ہوئے مصروف دعا تھے۔ دشمن حواس باختہ تھے، وہ حیرانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ ان کے خیالات کی رو تیز ہو گئی تھی اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے۔ محمد تو کہیں بھی نہیں ہیں، آخر وہ کہاں گئے؟ ہم تو یہیں تھے، پھر کیوں کر ہماری آنکھیں انھیں نہ پا سکیں؟ اگر وہ ہماری دست رس سے باہر ہو چکے ہیں تو پھر انجام کار کیا ہوگا؟

مشیت دور کھڑی کہہ رہی تھی قدرتی حصار کا توڑ دینا تمھاری بس کا روگ نہیں۔ اب تمھارے نصیب میں ہمیشہ کے لیے تباہی، ہر طرح کی بربادی، عمر بھر کی مایوسی، ہر محاذ پر ناکامی اور زندگی کی آخری سانس تک مسلسل محرومی کے سوا کچھ بھی

نہیں۔"(ص:73،74)

چوں کہ موضوع سیرتِ طیبہ سے متعلق ہے، اس لیے زبان میں ایک خاص قسم کا سوز و گداز موجود ہے۔ الفاظ کا انتخاب کرتے وقت مصنف نے ادب و احترام کے پہلو کو ہمیشہ مقدم رکھا ہے۔

اصدق صاحب کا اسلوبِ نگارش "خطیبانہ" بھی ہے اور "محققانہ" بھی۔ جہاں حقائق بیان کرتے ہیں وہاں ان کا لہجہ دو ٹوک اور مدلل ہوتا ہے، لیکن جہاں ہجرت کے مصائب اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جفاکشی کا ذکر آتا ہے، وہاں ان کا اسلوب ادبی اور دلگداز ہو جاتا ہے۔

غارِ ثور کے لمحات ہوں یا سراقہ بن مالک کا پیچھا کرنا، مصنف نے الفاظ کے ذریعے ایسی منظر نگاری کی ہے کہ قاری خود کو اس قافلے کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے صرف روایتی قصہ گوئی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ معتبر تاریخی حوالوں سے اپنی بات کو استحکام بخشا ہے، جو ان کی علم دوستی اور علم پروری کا بیّن ثبوت ہے۔

اردو ادب میں سیرت نگاری کی ایک طویل روایت رہی ہے، شبلی نعمانی سے لے کر پیر کرم شاہ ازہری تک کئی بڑے نام اس فہرست میں شامل ہیں۔ سید رکن الدین اصدق کی یہ کتاب اس روایت کا تسلسل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جداگانہ ادبی شناخت رکھتی ہے۔

بعض مقامات پر ان کی نثر پر شاعری کا گمان گزرتا ہے خاص طور پر جب وہ مدینہ کی پہلی جھلک یا انصار کے جوش و خروش کا ذکر کرتے ہیں، تو جملوں میں ایک خاص قسم کا آہنگ پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب خشک تاریخی حقائق کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک تخلیقی شاہکار نظر آتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

"بازاروں کی ہمہ ہمی، میلوں کی بھیڑ بھاڑ جلوس و جشن کی ہنگامہ آرائی تو اہل مدینہ نے بارہا دیکھا تھا لیکن روحانی اقتدار کا اتنا لکار تا ہوا منظر مدینہ کے بام و در نے کبھی نہ دیکھا تھا خرد سال بچے قلابازیاں کھا رہے تھے۔ کمسن بچیاں ترانے گا رہی تھیں عورتیں جھروکوں سے سلامی دے رہی تھیں، جوان مست و بے خود نظر آرہے تھے، بوڑھے اپنی خوبیِ قسمت پر ناز کر رہے تھے۔

اللہ اللہ! کتنی سہانی گھڑی تھی وہ جب مدینہ کا نصیب جاگا تھا۔ گلی کے سنگریزے مچل رہے تھے، ذروں میں ولولہ وشوق پیدا ہو گیا تھا، بام و در کے دل دھڑک رہے تھے۔ شاہ راہ کا سر اونچا ہو گیا تھا، ہواؤں کے دوش پر خوشی کے احساسات رقص کر رہے تھے اور اہل مدینہ کی آنکھیں رخسار نبوت کی چاندنی سے ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔

ہر دل کی تڑپ سرکار کو اپنا مہمان بنانا چاہتی۔ ہر آنکھ کی چمک حضور کی خدمت گزاری کے جذبے سے سرشار نظر آتی کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کے سامنے سے آقا کی سواری گزرتی اور گھر کا مالک دل میں ارمانوں کی دنیا بسائے ہوئے سواری کے سامنے آکر کھڑا نہ ہو جاتا یعنی ہر طرف سے درخواستیں برس رہی تھیں اور دعوتوں کا نہ ٹوٹنے والا ایک سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔"

مصنف نے تاریخ کو ادب کے قالب میں ڈھال کر اسے عام قاری کے لیے بھی پرکشش بنا دیا ہے۔

"تاریخِ ہجرت" صرف ماضی کا قصہ نہیں بلکہ حال کے لیے ایک پیغام بھی ہے۔ مصنف نے ہجرت کے واقعے سے استقامت، ایثار، توکل اور منصوبہ بندی کے جو نکات نکالے ہیں، وہ آج کے دور میں بھی مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

اگر آپ سیرتِ رسول ﷺ کا مطالعہ ایک نئے ادبی اور تحقیقی اسلوب میں کرنا چاہتے ہیں، تو "تاریخِ ہجرت" سے بہتر انتخاب ممکن نہیں۔ یہ کتاب نہ صرف معلومات میں اضافہ کرتی ہے بلکہ قلب کو عشقِ رسول ﷺ کی تپش سے منور بھی کرتی ہے۔ یہ کتاب اردو سیرت نگاری کے ذخیرے میں ایک ایسا در نایاب ہے، جس کی چمک تادیر دل و دماغ کو روشن کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ◘

صدائے بازگشت

صفائی ستھرائی کے فوائد

مکرمی! کامیاب اور اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے صفائی ستھرائی کا اہتمام لازمی ہے۔ صاف ستھرا ماحول، صحت مند جسم اور پاکیزہ عادات نہ صرف انسان کی عمدہ شخصیت سازی میں موثر ہیں بلکہ اس سے اس کی ذہنی اور روحانی زندگی پر بھی گہرہ اثر پڑتا ہے۔ صفائی اور ستھرائی کا تعلق محض جسم ولباس سے نہیں بلکہ گھر گلی اور محلے سے بھی ہے۔ جس قوم کے افراد صفائی ستھرائی کو اپنی سرشت میں شامل کر لیتے ہیں وہ قوم خوش حال اور مہذب زندگی کی طرف تیزی سے گام زن ہوتی ہے۔

مذہب اسلام انسانوں کو ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے۔ قرآن مجید پاک و صاف رہنے والوں کی ستائش بیان فرماتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرہ:222) ترجمہ: بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک و صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اور دوسری جگہ قرآن حکیم صفائی و پاکیزگی کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر:4) ترجمہ: اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔

قرآن کریم کی ان آیات سے یہ عیاں ہوا کہ رب قدیر کی بارگاہ میں پاک و صاف رہنے والوں کی کس قدر اہمیت ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ ناپاک، گندے اور پھوہڑ قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں۔ صفائی ستھرائی کی اہمیت کی طرف نبیِ رحمت ﷺ نے بھی اپنے ارشادات عالیہ سے توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہاں ایک طویل حدیث کا جز ملاحظہ کریں، اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ (ریاض الصالحین)۔ ترجمہ: طہارت آدھا ایمان ہے۔ پاکی کی اہمیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا۔

ایک صحت مند زندگی کے لیے جسم کی صفائی بنیادی شرط ہے۔ صاف ستھرا انسان موذی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اکثر بیماریاں مثلاً: کوڑھ، خارش، پھوڑے اور دیگر جلدی بیماریاں جسم کو صاف نہ رکھنے سے جنم لیتی ہیں۔ صاف ستھرا انسان اچھا نظر آتا ہے خود کو متحرک اور تروتازہ محسوس کرتا ہے۔ اس کے ذمے کوئی بھی کام ہو بخوشی اسے پورا کرتا ہے اپنے جسم اور کپڑے کو صاف رکھنے سے عبادتوں میں بھی خلوص اور توجہ کا مزاج بنتا ہے اور عبادت کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ گندے اور پھوڑ قسم کے لوگ سست ہوتے ہیں نہ ہی معاشرے میں ان کی کوئی عزت ہوتی ہے اور نہ کوئی انھیں اپنے پاس بیٹھانا پسند کرتا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے تن بدن کو صاف و پاک رکھیں اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیں۔

دین اسلام نے اپنے متبعین کو روزمرہ کی زندگی میں وضو کی صورت ایک بہترین معمول دیا ہے جو نہ صرف نماز کی کنجی ہے بلکہ اعضا کو پاک و صاف رکھنے میں بہترین معاون بھی ہے۔ الغرض اگر پاکیزگی اسلامی نقطۂ نظر سے حاصل کی جائے تو یہ محض جسم کی صفائی نہیں بلکہ روح کی بھی صفائی کا ضامن ہے۔

پیغمبر اسلام، معلم کائنات ﷺ نے صفائی ستھرائی کے بہت سے اچھے طریقے ہمیں بتائے ہیں۔ **(باقی ص:39 پر)**

سرگرمیاں

خیر و خبر

انٹرنیشنل تعلیمی سیمینار اور سالنامہ انکشاف کا اجرا

سیمانچل علما کونسل اور البیان انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ کے اشتراک سے 25 مارچ 2026 کو بائسی، پورنیہ، بہار میں مرکز الدراسات الاسلامیہ کے وسیع صحن میں تعلیمی سیمینار کا انعقاد عمل میں آیا۔ پہلی نشست کی سرپرستی حضرت مفتی غلام یٰسین رضوی، ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ ملک پور نے فرمائی، صدارت حضرت مفتی قاضی شہید عالم رضوی، صدر شعبہ افتا جامعہ نوریہ بریلی شریف نے فرمائی، قیادت حضرت مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی، قاضی شہر بھیونڈی نے کی۔ حضرت مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی، پروفیسر پریسیڈنسی یونیورسٹی کلکتہ و مدیر اعلیٰ سالنامہ انکشاف اور مولانا خواجہ آصف رضا مصباحی، سرپرست سیمانچل علما کونسل شریک رہے، نظامت مفتی مشتاق احمد امجدی، رکن سالنامہ انکشاف نے فرمائی۔

مولانا قاری صداقت حسین ازہری کی تلاوت سے نشست کا آغاز ہوا، قاری مناظر حسین وارثی نے کلام اعلیٰ حضرت پیش کیا، اصحاب قرطاس و قلم، علما و دانشوران نے اپنے مقالات پیش کیے۔ مفتی نذر الباری جامعی، مفتی شاکر رضا قادری مصباحی، مفتی شمس تبریز علیمی، مفتی مخدوم رضا مولانا محمود رضا حنفی سمیت کئی اہل قلم نے تعلیم کی اہمیت و افادیت، موجودہ صورت حال، اس کی اصلاح اور مستقبل کے امکانات پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ صدارتی خطاب میں مفتی قاضی شہید عالم رضوی نے دینی و عصری تعلیم کے درمیان موجود فاصلے کے ازالہ پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ جتنی جلد ممکن ہو اس کے لیے عملی لائحۂ عمل تیار کیا جائے، اور نصاب تعلیم کو جامد نہ رکھا جائے بلکہ اسے زمانۂ حال اور مستقبل کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ مزید فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو تعلیمی ادارے پرائمری، سیکنڈری اور ہائی سیکنڈری سطح پر باضابطہ منظوری حاصل کریں اور منظم نظامِ تعلیم قائم کریں۔

دوسری نشست کی سرپرستی فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی نے فرمائی۔ صدارت حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی نے کی، قیادت مولانا ڈاکٹر سید منظر الاسلام، بانی البیان انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ نے فرمائی، نظامت کے فرائض احقر صابر رضا محب القادری نعیمی نے انجام دیے۔

نشست کا آغاز مولانا قاری صداقت حسین مصباحی ازہری کی تلاوت سے ہوا۔ اس موقع پر مفتی شہروز عالم مصباحی، مولانا نیاز احمد رضوی، مولانا حسنین رضا نعیمی، مولانا منور ضیائی، مولانا ریحان رضا مرکزی وغیرہ نے علمی و فکری نکات سے بھرپور تحقیقی مقالات، تاثرات اور مثبت تجاویز پیش کیں۔ ڈاکٹر سید منظر الاسلام نے کلیدی خطاب کرتے ہوئے تعلیم نصاب اور دور حاضر کے چیلنجز پر گفتگو کی، اور مروجہ طریقۂ تدریس کو جدید اسلوب سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت پر زور دیا، نیز شرح عقائد جیسے اعتقادی مباحث کو جدید اصطلاحات کے ساتھ پیش کرنے کی تجاویز دیں۔ اس کے بعد مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے اپنے تاثرات پیش کیے اور "نالج سٹی" کے تحت مجوزہ امام احمد رضا یونیورسٹی کشن گنج کی طرف توجہ دلائی۔ مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی نے مقالات پر مختصر مگر جامع تبصرہ کرتے ہوئے مقالہ نویسی کے اصول واضح کیے، اور فرمایا کہ الحاد، مغربی تہذیب، لبرل ازم اور فیمینزم جیسے فتنوں کے انسداد کے لیے دینی و عصری تعلیم بہترین تریاق ہے، مزید فرمایا کہ دین کو قوم کی زبانوں میں پیش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

آخر میں مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی اور دیگر علما و مفتیان کرام کے ہاتھوں سالنامہ "انکشاف سیمانچل 26/2025" کا اجرا عمل میں آیا، ساتھ ہی حضرت مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی کی کتاب..... (باقی ص:49 پر)

خیابان حرم

نعتیں

ارض و افلاک ترے عرش معلیٰ تیرا
کیوں خدائی نہ ہو تیری کہ ہے مولیٰ تیرا

رب کا مقصود ہے ہر آن ہو چرچا تیرا
ذکر کونین میں ہوتا رہے ہر جا تیرا

اصل انوار جہاں ہے تری ذات انور
بانٹتے ہیں مہ و خورشید اُجالا تیرا

جام توحید الٰہی کے یگانہ ساقی!
نام اعلیٰ ہے ترا کام ہے اولیٰ تیرا

شاہ معراج تری شان یگانہ کی قسم
بام رفعت ہے بس اک نقش کف پا تیرا

بہر تعظیم جھکا کرتے ہیں اشجار کے سر
جانتے ہیں سبھی بے جان بھی رتبہ تیرا

مہر تاباں ہے تری ایک تجلی کی جھلک
کہکشاں کیا ہے فقط جلوۂ ادنیٰ تیرا

ظلمتِ یاس کو دیتا ہے امیدوں کی سحر
دردِ حسرت سے بچاتا ہے بھروسا تیرا

ہے ترے حسن کا کونین میں ہر سو چرچا
بہر دیدار ہے مشتاق زمانہ تیرا

تیری عزت کا تصدق مرے عظمت والے
اَمثلؔ زار نہ عالم میں ہو رسوا تیرا

از قلم: **امثل فواز** عرف اویس القادری دہلوی

شاہِ بطحا کے جو دربار میں آ جاتے ہیں
بخت سے مہبطِ انوار میں آ جاتے ہیں

پیش کرنے کے لیے نقدِ دل و جاں عشاق
عشق کے کوچہ و بازار میں آ جاتے ہیں

با وضو ہو کے بصد شوق و ادب، فکر و قلم
"قریۂ مدحتِ سرکار میں آ جاتے ہیں"

گنبدِ خضریٰ تصور میں جمانے کے سبب
رنگِ مدحت مرے اشعار میں آ جاتے ہیں

عشقِ احمد کی تجلی سے ضیا کے آثار
زندگانی کی شبِ تار میں آ جاتے ہیں

با ادب غنچہ و گل کرتے ہیں تسلیم انھیں
جب نبی سیر کو گلزار میں آ جاتے ہیں

وقت کے شاہ بھی خیراتِ کرم لینے کو
شاہِ کونین کے دربار میں آ جاتے ہیں

بہرِ تسکین زمانے کے ستائے ہوئے لوگ
کوچۂ سیدِ ابرار میں آ جاتے ہیں

ان کے چشمانِ کرم اٹھتے ہیں جس دم احمد
جرم پیشہ، صفِ اخیار میں آ جاتے ہیں

از: **طفیل احمد مصباحی**

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

MAY 2026

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122
www.aljamiatulashrafia.org
Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریباً گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN